مؤلفہ : قاضی اطہر مبارک پوری

عرب و ہند عہدِ رسالت میں

مؤلفہ

قاضی اطہر مبارک پوری

(ایڈیٹر "البلاغ" بمبئی)

علی پلازہ، 3- مزنگ روڈ لاہور، فون: 7238014
Web Site: http://www.takhleeqat.com
E-mail: takhleeqat@yahoo.com

قارئین کرام سے التماس

اس کتاب میں کچھ مقامات پر قرآن پاک کی آیات اور احادیثِ نبوی حوالہ کے طور پر درج کی گئی ہیں، نیز ان آیات و احادیث کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ کتاب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور طباعت و اشاعت کے تمام مراحل میں انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے، تاہم انسانی کوشش میں غلطی کا احتمال بہرحال باقی رہتا ہے۔ کسی بھی غلطی کے لیے ناشر، طابع، کمپوزر اور پروف ریڈر اللہ ربّ العزت سے عفو و درگزر کے خواست گار ہیں۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو ''تخلیقات، علی پلازا، 3۔مزنگ روڈ، لاہور کے پتہ پر اطلاع فرمائیں، تاکہ اُن کے شکریہ کے ساتھ اگلے ایڈیشن میں درستگی عمل لائی جا سکے۔ شکریہ۔

نام کتاب	عرب و ہند عہدِ رسالت میں
مصنف	قاضی اطہر مبارک پوری
ناشر	تخلیقات، لاہور
اہتمام	لیاقت علی
کمپوزنگ	ریاض احمد۔ بلّھے شاہ کمپوزنگ سنٹر، لاہور (5821875)
پروف ریڈنگ	ریاض احمد، بلاغت حسین
سرورق	ریاظ
سنِ اشاعت	(زیرِ نظر ایڈیشن) 2004ء
طابع	حاجی حنیف پرنٹرز، لاہور
قیمت	100 روپے

فہرست مضامین

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

پیش لفظ

''عرب و ہند عہد رسالت میں'' ندوۃ المصنفین سے شائع کر کے مجھے خاص مسرت ہورہی ہے۔ مجلّہ ''معارف'' میں اس کے بعض ابواب کے مطالعہ کا اتفاق ہوا تھا اور اُسی وقت سے خیال تھا کہ ایسی معلوماتی اور نفیس کتاب کی اشاعت اسی ادارے سے ہونی چاہیے۔ شکر ہے اس کا وقت آ گیا۔

لائق مؤلف نے ان مقالات پر نہ صرف وسیع نظرثانی کی ہے بلکہ متعدد اہم ابواب کا اضافہ بھی کیا ہے اور اس طرح اپنے موضوع پر یہ کتاب نادر معلومات کا گنجینہ ہوگئی ہے۔ عرب و ہند کے تعلقات پر مرحوم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی کتاب مشہور و مقبول ہے اور اس کو پڑھ کر عرب و ہند کے عام روابط و علائق کا بصیرت افروز نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔ مگر زیرِ نظر کتاب کا موضوع اچھوتا ہے اور اس میں خاص زمانۂ نبوت کے عرب و ہند سے بحث کی گئی ہے۔ کتاب کے آٹھ بڑے باب ہیں جن میں آخر کے تین باب (۱) ''پیغمبر اسلام اور ہندوستانی باشندے'' (۲) ''عہد رسالت میں ہندوستانی اشیاء کا استعمال'' (۳) ''اسلام اور مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد'' خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہیں۔ دوسری خصوصیتوں سے قطع نظر کتاب کی سب سے اہم خصوصیت اس کی بے شمار عربی عبارتیں ہیں جن کو معتبر اور مستند ماخذوں سے لیا گیا ہے اور پھر ان عبارتوں کا نہایت سلیس

اور شگفتہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ فاضل مؤلف عربی زبان کے بہت اچھے ادیب ہیں اور ان کا یہ ذوق طبعی اور فطری ہے اس لیے قدرتی طور پر بہت سی پیچیدہ اور اجنبی عبارتوں کا ترجمہ بھی نہایت صاف اور بے تکلف کیا ہے۔

لفظ بابو کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

''عرب میں بابوس اونٹنی کے بچے کو کہتے ہیں، نیز اس کا استعمال گہوارے میں دودھ پیتے انسان کے بچے کے لیے ہوتا تھا۔ تقریباً اسی دوسرے معنی میں ہندوستان میں چھوٹے بچے کے لیے بابو کا لفظ بولا جاتا ہے، بابو اور بابوس میں صرف آخر میں سین کا اضافہ ہے، نیز عرب میں بچہ باپ کو اور باپ بچے کو بابا کہتا ہے۔ لسان العرب میں ہے:

وقالو بأبأ الصبی ابوہ اذا قال له بابأً و بأبأ الصبی اذا قال له بَابَا	علمائے لغت نے کہا ہے کہ جب باپ اپنے بچے کو بابا کہتا ہے یا بچہ اپنے باپ کو بابا کہتا ہے تو بأبأ کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔

ہندوستان اور عرب میں یہ مشترک لفظ تھوڑے سے مقامی اثر و فرق کے ساتھ حدیث میں بھی آیا ہے، چنانچہ بخاری میں حدیث جریج راہب میں ہے:

فمسح رأس الصبی و قال له یا بابوس من ابوک فقال راعی الغنم	جریج راہب نے بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا اے بابو! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا بکری کا چرواہا۔

یقین ہے یہ قابلِ قدر کتاب قبولِ عام حاصل کرے گی اور اس کے مطالعہ سے وقت کے ایک اہم اور دلچسپ مسئلے قومی یک جہتی کے حقیقی مقصد کو بھی تقویت پہنچے گی۔ فقط

عتیق الرحمٰن عثمانی

۲۵ شعبان المعظم ۱۳۸۴ھ مطابق ۳۰ دسمبر ۱۹۶۴ء — ندوۃ المصنفین، جامعہ مسجد، دہلی

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

نحمدہ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

ابتدائیہ

''رجال السند والہند'' کی تالیف وتدوین کے سلسلے میں ہندوستان اور عرب کی ابتدائی اسلامی تاریخ کے بارے میں بہت سی مفید اور اہم باتیں سامنے آئیں۔ ان میں ''عرب و ہند عہد رسالت میں'' کا موضوع بھی تھا۔ یہ موضوع جس قدر اہم اور ضروری ہے، اسی قدر نادر اور وقت طلب بھی ہے۔ مگر الحمد للہ کہ جب احادیث و سِیَر اور تواریخ و رجال کی کتابوں کی چھان بین کی گئی تو اس موضوع میں توقع سے بہت زیادہ کامیابی نظر آئی اور عجیب وغریب انکشافات سامنے آئے اور سیرت نبوی کے مقدس موضوع پر اچھا خاصا حاشیہ تیار ہو گیا۔

بعض مباحث اور عبارات کی تکرار اہل علم کے ذوق پر بار ہو سکتی ہے، مگر کیا کیا جائے، اس رنگ برنگ کی مٹھائیوں کی دکان کا کل سرمایہ چند شکر پارے ہیں جن کو مختلف رنگ وصورت میں سجایا گیا ہے۔ عربی عبارتوں کی کثرت اور ان کے ترجمے کا کھرا پن بھی غایت احتیاط اور احساس ذمہ داری کی وجہ سے ہے، اس کتاب کا مقصد سیرت نبویؐ کے اس سنہرے باب کو اجاگر کرنا ہے جس کا تعلق ہمارے ملک ہندوستان سے رہا ہے۔

اس کی ابتدا رمضان ۱۳۸۰ھ (مارچ ۱۹۶۲ء) میں ہوئی تھی، اسی وقت سے اس کے اجزا مجلّہ ''معارف'' اعظم گڑھ میں شائع ہوتے رہے، جن کو ہندو پاک کے علمی حلقوں

میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ مختلف رسائل و مجلات نے ان کو نقل کیا اور بعض دوسری زبانوں میں ان کے ترجمے شائع ہوئے اور اب اللہ کے فضل وکرم سے ان کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی باری آ رہی ہے، یہ بات بڑے تشکر و امتنان کی ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے دونوں علمی و تحقیقی اداروں دارالمصنفین اعظم گڑھ اور ندوۃ المصنفین دہلی نے اسے وقیع نگاہوں سے دیکھا۔ ایک نے شروع میں اس کے اجزا اپنے مجلہ میں شائع کیے اور دوسرے نے پوری کتاب شائع کی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ جب ان دونوں اداروں کی تائید کو سوچتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ان کے شکر میں زبان بے اختیار کھل جاتی ہے۔ محترم مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب ناظم ندوۃ المصنفین کی علمی قدردانی نے کتاب کو اعلیٰ معیار پر شائع کر کے اس کو جو عزت بخشی ہے وہ ان کی محبت و شفقت کا نتیجہ ہے جو شروع ہی سے میرے ساتھ رہی ہے، جن پر میں ہمیشہ متشکر و مطمئن رہا۔

قاضی اطہر مبارک پوری، بمبئی

غرۃ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ (۱۰۔ اگست ۱۹۶۴ء)

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

عرب و ہند عہدِ رسالت میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ملک عرب کے اطراف و جوانب میں غیر ملکیوں کی بہت زیادہ آبادی تھی، اور جب اسلام کی دعوت جزیرۃ العرب میں پھیلی تو عربوں کی طرح وہاں پر آباد دوسری قوموں کو بھی اس سے واسطہ پڑا، اور عربوں کی طرح عام طور سے وہ بھی مسلمان ہو گئیں، یا ان میں سے کچھ لوگوں نے جزیہ دے کر اپنے دین پر قائم رہنا پسند کیا۔

شمال مغرب میں شام سے متصل عربی علاقہ رومیوں کے قبضہ میں تھا اور وہاں رومیوں کی طرف سے عرب حکمراں انتدابی قسم کی حکومت کرتے تھے، جیسے شام کے غساسنہ اور حیرہ کے منازرہ، شمال مشرق میں عراق پر شاہانِ ایران کا قبضہ تھا، جن کا مرکز ابلہ تھا، اور خلیج عربی کے پورے سواحل، بحرین اور عمان پر ان کے اساورہ یا ان کے ماتحت عرب حکمران حکومت کرتے تھے۔ یہ سلسلہ یمن تک قائم تھا اور مشرقی جنوبی عرب کا پورا ساحلی علاقہ ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ پھر یمن سے مغرب کے علاقوں میں حبشہ اور زنج کثیر تعداد میں موجود تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت میں یمن کے عرب حکمران سیف بن ذی یزن کو حبشہ کے بادشاہ نے مغلوب کر کے پورے یمن پر قبضہ کر لیا تھا، مگر اس کے فوراً بعد ہی وہاں پر ایرانیوں کا قبضہ ہو گیا، جو بعثت نبوی کے وقت تک قائم رہا۔ الغرض

عرب کے ان حدود پر غیر ملکی قابض و دخیل تھے اور ان کے آدمی یا نمائندے حکمرانی کرتے تھے، اس طرح بعثت نبوی کے وقت عرب میں رومی، ایرانی، حبشی اور ہندی اپنے اپنے اثر و اقتدار کے ساتھ موجود تھے۔

ہندوستان کی قومیں اگر چہ عرب میں براہِ راست اپنا اثر و اقتدار نہیں رکھتی تھیں مگر مختلف وجوہ سے ان کی حیثیت بلند تھی، جس میں بڑا دخل ایرانیوں کے عرب پر قبضہ کو تھا۔ ایرانی ایک طرف ہندوستان اور سندھ و بلوچستان کے راجوں، مہاراجوں اور یہاں کے لوگوں کو اپنے اثر و اقتدار میں رکھتے تھے اور دوسری طرف عرب کے ساحلی علاقوں میں عراق سے لے کر یمن تک حاکمانہ طاقت رکھتے تھے، اس لیے ہندوستانیوں کو عرب کے ان حدود میں ایرانیوں کے توسط سے اقتدار نصیب ہوا، اور ایران کی فوج اساورہ میں ہندوستان کے بہت سے آدمی شامل ہو کر عرب میں رہنے لگے۔ ہندوستان اور عرب کے قدیم ترین تجارتی تعلقات کے بعد ایران کے توسط سے اس حاکمانہ تعلق نے ان میں عرب سے مزید دلچسپی پیدا کی اور یہاں کے لوگ ہندوستانی اشیاء کی تجارت، عرب کے جہازوں اور کشتیوں پر ملازمت، اور عرب میں آباد ہو کر وہاں کے اقامت میں بڑھ چڑھ کے حصہ لینے لگے، جس کے نتیجہ میں عہد رسالت میں عرب کے اندر ہندوستانیوں کی مختلف قومیں اور جماعتیں رہنے لگیں اور ان کو عرب کے باشندے اپنی زبان میں مختلف ناموں سے یاد کرتے تھے۔ چنانچہ عربوں نے اپنے ملک میں آباد ہندوستانیوں کو زط، اساورہ، سیابجہ، احامرہ، مید، بیاسرہ اور تکاکرہ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا۔ کسی ملک کے آدمیوں کو اتنے زیادہ نام و لقب سے یاد کرنا اس کی صریح دلیل ہے کہ وہاں ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور وہ ہر طرف مشہور تھے۔ چونکہ عربوں اور ہندوستانیوں میں بڑی حد تک مذہبی یک جہتی تھی اس لیے وہ بڑی آسانی سے عربوں کی زندگی میں مل جل گئے۔

ان ہی حالات میں مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، چونکہ تیرہ سال تک مکی زندگی مقامی کفار و مشرکین کی وجہ سے مظلومیت میں گزری، اس لیے عرب کے انتہائی حدود کے لوگوں کو اسلام سے کم واقفیت ہوئی اور وہاں کے عربوں کی طرح ہندوستانی بھی اسلام سے تفصیلی طور سے واقف نہیں ہو سکے۔ البتہ مکی زندگی میں حبشہ کی طرف صحابہؓ کی ہجرت ہوئی، اس لیے حبشہ اور اس کے اطراف کے لوگوں کو اسلام کی عام

واقفیت ہوئی۔ اغلب یہ ہے کہ اسی سلسلے میں حبشہ کے سامنے سواحل کے عربی اور عجمی باشندوں کو بھی اسلام کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہوئی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت باذان ؓ حاکم یمن ابتدائے بعثت ہی میں اسلام لائے اور ان کے ساتھ یمن میں مقیم بہت سے اساورہ اور ایرانی نسل کے ابناء بھی مسلمان ہوئے۔ اس کے باوجود دعوت و تبلیغ کے طور پر ان اطراف میں اسلام کی تفصیلی معلومات نہیں ہوئیں اور اس کا موقع اُس وقت آیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے تیرھویں سال مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ ہجرت کے واقعہ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق نہ صرف عرب کے انتہائی حدود میں تفصیلی واقفیت کے لیے راہ پیدا کی بلکہ اطراف و جوانب کے ان ممالک میں بھی اس کی خبر پہنچی جو عرب سے متصل تھے، اور ان ممالک سے عرب کے قدیم تعلقات تھے اور جس طرح دوسرے ممالک میں یہ خبریں پہنچیں، ہندوستان میں بھی ان کو سنا گیا اور یک گونہ دلچسپی ظاہر کی گئی۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ ہجری اور ۸ ہجری کے درمیان حدودِ عرب میں دعوت اسلام بھیجی اور صحابہ کرام ؓ کی ایک جماعت کو اسلام کا مبلغ و داعی اور قاصد بنا کر عرب اور بیرون عرب کے رئیسوں، حاکموں اور باحیثیت لوگوں کو خطوط بھیجے تو اس وقت عراق سے لے کر مشرقی سواحل اور یمن تک میں اسلام کی دعوت عام ہوئی اور ان اطراف کے عربوں کی طرح عجم، فرس اور مجوس وغیرہ بھی اس کی دعوت سے تفصیلی طور پر واقف ہوئے۔ ان ہی کے ساتھ یہاں کے ہندوستانی باشندے بھی عام طور پر اسلام سے باخبر ہو کر یا تو مسلمان ہوئے اور اسلام زندگی کا جزو بن گئے یا عام مجوسیوں کی طرح یہ لوگ بھی اپنے آبائی مذہب پر قائم رہ کر جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو گئے اور ان کو مجوس میں شمار کیا گیا۔

نیز عہد رسالت میں جس طرح اسلام کا چرچا دیگر ممالک میں ہوا، ہندوستان میں بھی ہوا اور یہاں کے مذہبی لوگوں اور راجوں مہاراجوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام سے براہِ راست تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی اور دعوت اسلام کو سمجھنا چاہا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان اور یہاں کے لوگوں کے متعلق باتیں کیں۔ قرآن حکیم میں ہندوستانی اشیاء کے نام آئے اور ان کا تذکرہ فرمایا گیا۔ احادیث میں ہندوستان کے باشندوں اور یہاں کی چیزوں کا تذکرہ آیا۔ یہاں کی بہت سی اچھی چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے استعمال کا حکم دیا، بہت سی بُری باتوں سے منع فرمایا، اور دورِ رسالت کی اسلامی ادبیات میں ہندوستان کی قوموں کے، یہاں کی چیزوں کے اور اس ملک کی باتوں کے تذکرے آئے، قرآن وحدیث کے علاوہ صحابہ کرام کے اشعار میں ان کا تذکرہ آیا۔

آئندہ صفحات میں اسی اجمال کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

=====
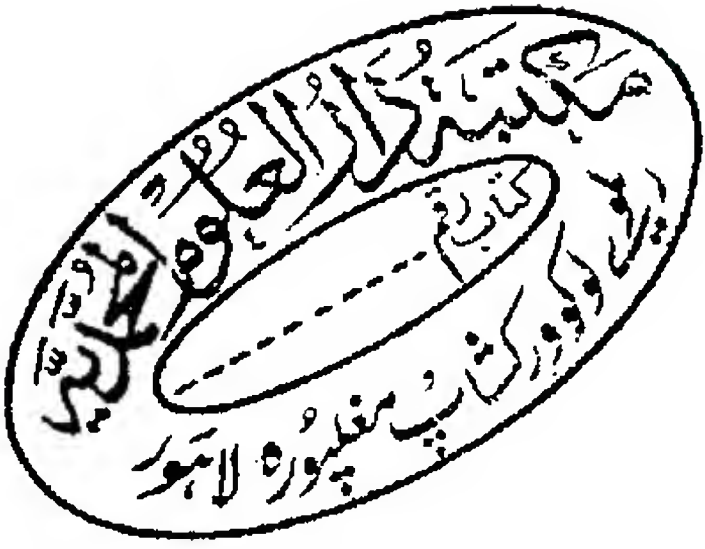
نارجیل سے نخیل تک

ہم آئندہ جو کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ ابتدا میں عرب و ہند کے مابین آمدورفت کی قدیم بری اور بحری راہوں اور ان میں واقع مقامات کی نشاندہی کریں، کیونکہ ان ہی قدیم راہوں پر چل کر ذہن کا سیاح دونوں ملکوں کی سیر کر سکتا ہے۔

سندھ اور ہندوستان عربوں کی نظر میں

سندھ اور ہند عربوں کے نزدیک دو الگ الگ ملک تھے، جو ان کے مشرق میں سمندر پار پڑتے تھے۔ سندھ کا ملک ہندوستان، کرمان اور سجستان وغیرہ کی حدود سے گھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد ہندوستان کا ملک پڑتا تھا، جو مشرق میں چین کی حدود سے ملتا تھا، اور عرب دونوں ملکوں کو ملا کر ہند بھی بولتے تھے۔ جس طرح تاریخ نے اپنے کو دہرایا اور اب پھر ایک ملک ہندوستان کے قریباً یہی دونوں علاقے بھارت اور پاکستان کے دو نام سے یاد کیے جانے لگے اور دونوں کے لیے جامع لفظ ہندوستان ہے۔

قدیم ترین عرب جغرافیہ نویس ابن خرداذبہ نے بلاد سندھ میں ان شہروں کو شمار کیا: قیقان (کیگان قلات) بنہ (غالباً بنون) مکران، مید، قندھار (گندھارا) قصدار، بوقان، قندابیل، فنزبور، ارمابیل، دیبل (قریب کراچی) قنبلی، کنبایا (کھمبائت) سہبان، سدوسان، راسک، الرور (اَلور) ساوندری، مولتان، سندان (سنجان، بمبئی) مندل،

بیلمان، (بھیلمان گجرات) سرست، کیرج، مرمد، فالی (پالی، جوناگڑھ) دہنج (گجرات) بروص (بھڑوچ)۔(۱)

واضح رہے کہ ان شہروں کے ناموں میں ترتیب کا التزام نہیں ہے، بلکہ صرف ملک سندھ کے تمام شہروں کے نام دیئے گئے ہیں۔ عام طور سے ان حدود کے باشندوں کو عرب سندھی سمجھتے اور کہتے تھے۔ سندھ شاہانِ فارس کے اثر و اقتدار کے ماتحت یوں رہا کرتا تھا کہ یہاں کے راجے مہاراجے ان کے باج گزار اور فرماں بردار ہوتے تھے، اور ضرورت کے وقت وہ یہاں سے فوج کے لیے آدمی بھی لیتے تھے۔ ایران کے بادشاہ اردشیر نے سندھ کے مہاراجوں کو اپنی طرف سے خاص خاص القاب سے بھی نوازا تھا۔ چنانچہ اس نے قفص شاہ، مکران شاہ، قیقان شاہ، قشمیران شاہ سے سندھ کے ان مہاراجوں کو نوازا تھا جو یہاں حکمران تھے اور اس کے ماتحت تھے، اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے حلقہ میں ذاتی نام کے بجائے اپنے لقب سے مشہور تھا۔(۲)

عربوں کی تقسیم کی رُو سے سندھ کے بعد ہندوستان کا ملک آتا تھا، جو حدود چین تک چلا گیا تھا، اور سندھ و ہند کے درمیان ساحل کی جانب قامہل نامی شہر تھا۔ یہ مقام غالباً بیکانیر، جیسلمیر یا جوناگڑھ کے اطراف میں کہیں تھا، جہاں سندھ اور ہندوستان کی سرحدیں ملتی تھیں۔ یاقوت حمویؒ نے لکھا ہے:

قامهل مدينة في اول حدود الهند، ومن صيمور الىٰ قامهل من بلد الهند ومن قامهل الىٰ مكران، والبدهة وما وراء ذٰلك الىٰ حد الملتان كلها من بلاد السند... و بين المنصورة وقامهل ثمان مراحل ومن قامهل الىٰ كنباية نحو اربع مراحل (۳)	قامہل سندھ کے بعد ہندوستان کی شروع سرحد میں واقع ہے، اور چیمور سے قامہل تک ہندوستان ہے اور قامہل سے مکران بدھ اور ملتان کی حد کے نیچے تک کا پورا علاقہ سندھ میں شامل ہے اور سندھ کے شہر منصورہ اور قامہل کے درمیان آٹھ مرحلہ کا فاصلہ ہے، اور قامہل سے کھمبایت تک تقریباً چار مرحلے ہیں۔

(۱) المسالک والممالک، ص ۵۷ (۲) المسالک والممالک، ص ۱۸
(۳) معجم البلدان، ج ۷، ص ۱۸، طبع مصر۔

قامہل اور چیمور (بمبئی) کے درمیانی علاقہ سے مراد گجرات ہے جسے یاقوت حموی نے ہندوستان کا علاقہ بتایا ہے اور اس سے آگے کے ساحلی علاقہ کو جس میں کوکن، ملیبار، معبر اور اس کے آگے کلہ، شلاہط (سہلٹ) قمار اور مملکت مہراج وغیرہ شامل ہیں، ان کو مراد نہیں لیا ہے۔

ابن خرداذبہ نے ہندوستان کے سواحل اور ان کے اطراف و جوانب کے راجوں، مہاراجوں کے یہ القاب بتائے ہیں: بلہرا، جابہ، طافن، ملک جزر، غابہ، رہمی، ملک قامرون، ملک زانج (فتحب) اور مہراج۔ فارس کے بادشاہ اردشیر نے ہندوستان کے مہاراجوں کو بھی اپنے لقب سے نوازا تھا۔ چنانچہ یہاں کے ایک راجہ کو ریحان شاہ کا لقب دیا تھا۔ (۱)

دورِ رسالت میں عربوں کا تعلق سندھ اور ہند کے ان ساحلی علاقوں سے تھا اور وہ عام طور سے ان مقامات پر آتے جاتے تھے، اور یہاں کی اشیاء و اشخاص اور اقوام سے اچھی طرح واقف تھے اور ان مقامات کے رہنے والے بھی ذاتی طور سے سن سنا کر عربوں سے واقف تھے۔

ہندوستان اور عرب کے درمیان بحری اور ساحلی راستے

عرب کا ملک جنوبی ایشیا میں واقع ہے۔ شمال میں ملک شام، مشرق میں فرات اور بحرِ ہند کا ایک حصہ اور مغرب میں بحرِ احمر ہے۔ جبل سراۃ کا سلسلۂ کوہ یمن سے بادیۂ شام تک پورے ملک کو مغربی اور مشرقی حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ مغربی حصہ میں جبل سراۃ سے بحرِ احمر کے ساحلی علاقہ کو غور کہتے ہیں، اور تہامہ، عبرہ، مشرقی عراق اور سارہ کے علاقہ کو نجد کہتے ہیں۔ غور و نجد کے درمیان جو علاقہ حد فاصل کے طور پر واقع ہے، اسے حجاز کہتے ہیں۔ پھر نجد، مشرقی خلیج عربی، یمامہ، بحرین اور عمان کے علاقہ کو عروض کہتے ہیں اور حجاز کے بعد جنوب تک کے علاقہ کو یمن کہتے ہیں۔

ملک عرب کے عام باشندے دو طبقوں میں منقسم تھے، ایک اہل مدر اور دوسرے اہل دبر۔ اہل مدر وہ لوگ تھے جو آبادیوں میں رہتے تھے۔ ان کے پاس کھیتی باڑی، نخلستان، میوے، بھیڑ، بکری، اونٹ، تجارت، غرض کہ کسب و معیشت کے معقول ذرائع تھے، اور وہ اپنے دور کے تمدن کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان خانہ بدوش لوگوں کا سہارا اونٹ تھا۔ یہ

المسالک والممالک، ص ۱۶، ۱۷۔

لوگ پورے سال پانی کے چشموں اور چارہ گھاس کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔ گرمی کے ایام صحراؤں اور ریگستانوں میں اچھی طرح بسر کر لیتے تھے مگر جاڑے میں عراق اور شام کی حدود میں چلے جاتے تھے، یا دیگر بستیوں کے آس پاس جا کر بڑی تنگ دستی اور عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔(۱)

ہندوستان کے جو لوگ اس زمانہ میں عرب میں رہتے تھے وہ عام طور پر بلاد و قریات میں رہنے والوں کے ساتھ رہتے تھے، اور ان کے ساتھ تجارت، ملازمت یا دوسرے کام کرتے تھے، البتہ خلیج عربی کے سواحل پر ہندوستانیوں کا ایک گروہ قدیم زمانہ سے خانہ بدوش عربوں کی طرح گھاس اور چارہ کی تلاش میں گھوم پھر کر زندگی بسر کرتا تھا۔

عام طور پر ہندوستان کے باشندے عرب میں شمال مشرق سے لے کر جنوب تک کے سواحل اور ان کے اوپر کے شہروں میں رہتے تھے۔ ان علاقوں میں کئی عرب حکمران بھی تھے جو ایرانیوں کے نائب کی حیثیت سے حکومت کرتے تھے، جس طرح ہمارے زمانہ میں بھی ان علاقوں میں عرب شیوخ انگریزوں کی نگرانی میں حکومت کرتے ہیں اور معمولی معمولی امارتیں اور ریاستیں موجود ہیں۔

اب ہم عرب سے ہندوستان آنے جانے کے ساحلی مقامات کی تفصیل بیان کرتے ہیں، تاکہ اندازہ ہو سکے کہ پہلے زمانہ میں عرب و ہند کے درمیان بحری سفر کن راہوں سے ہوتا تھا، اس سلسلے میں قدیم ترین عرب جغرافیہ نویس ابن خرداذبہ کی کتاب "المسالک والممالک" کی تفصیلات زیادہ کارآمد ہیں، کیونکہ اس نے اپنا جغرافیہ قدیم معلومات کی بنیاد پر لکھا ہے، اور زیادہ اعتماد بطلیموس کے بیان پر کیا ہے جو یونان کا مشہور جغرافیہ نویس گزرا ہے، جیسا کہ ابن خرداذبہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

بصرہ (قدیم ابلہ) سے مشرق کی طرف فارس، ہندوستان اور چین تک کے بحری راستوں کی تفصیل یوں ہے: بصرہ سے جزیرۂ فارس پچاس فرسخ، یہ جزیرہ ایک فرسخ لمبا چوڑا ہے۔ یہاں پر انگور اور کھجور کے باغات ہیں اور کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ یہاں سے جزیرہ لاوان اَسّی فرسخ ہے، یہ دو فرسخ کی لمبائی چوڑائی میں آباد ہے، یہاں کھجور کے باغات اور کھیت ہیں۔ یہاں سے جزیرہ ابرون سات فرسخ ہے، یہ ایک فرسخ میں آباد ہے یہاں کھیت

طبقات الامم ابن صاعد اندلسی، ص ۵۶، مطبعۃ التقدم مصر

اور نخلستان ہیں۔ جزیرۂ قیس سات فرسخ ہے، یہ جزیرہ صرف نصف میل کا ہے اور غیر آباد ہے، یہاں سے جزیرہ کیس بھی سات فرسخ ہے، یہ چار فرسخ میں آباد ہے، یہاں کھیتی باڑی نخلستان اور مویشی کے علاوہ موتی بھی نکلتے ہیں، یہاں سے جزیرہ ابن کاوان اٹھارہ فرسخ ہے، یہ تین فرسخ میں آباد ہے، یہاں سے ارموز (ہرموز) سات فرسخ ہے، اور پھر تارا سات دن کی راہ پر ہے۔

بصرہ سے یہاں تک فارس اور سندھ کی درمیانی حد ہے، اور یہاں سے شہر دیبل (موجود کراچی کے آس پاس) آٹھ دن کی راہ پر ہے، جہاں سے مہران (دریائے سندھ) دو فرسخ پر سمندر میں گرتا ہے اور مہران سے اوتکین چار دن کی مسافت پر ہے۔ یہ ہندوستان کا پہلا علاقہ ہے۔ یہاں سے مید دو فرسخ پر ہے، مید سے کولی بھی دو فرسخ ہے۔ پھر سندان (سنجان نواحی بمبئی) اٹھارہ فرسخ پر ہے۔ پھر ملی (ملیبار) پندرہ دن کی مسافت پر ہے۔ اس کے بعد بلّین دو دن کی مسافت پر ہے اور یہاں سے لجہ عظمیٰ بھی دو دن کی مسافت پر ہے۔

بلّین سے سمندر پار کئی راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ جو شخص ساحل سے چلے تو اس کے لیے بلّین سے باتن دو دن کی مسافت ہے۔ وہاں سے سجلی اور کبشکان ایک دن کی مسافت ہے، اور وہاں سے کودافرید گوداوری کا سنگم تین فرسخ ہے۔ پھر اورنشین بارہ فرسخ ہے، اور وہاں سے ابینہ چار دن کی مسافت ہے۔

اور جو شخص بلّین سے سرندیپ جائے تو اس کے لیے ایک دن کی مسافت ہے، سرندیپ کے بعد جزیرہ رامی آتا ہے اور جو شخص بلّین سے چین جانا چاہے وہ بلّین سے گھوم کر سرندیپ کو اپنے بائیں جانب کر دے۔ پھر سرندیپ سے جزیرہ النکبالوس دس سے پندرہ دن کی مسافت ہے۔ اس کی بائیں جانب جزیرہ بابوس بھی چھ دن کی مسافت ہے، اور وہاں سے جزیرہ جابہ، شلاھط اور ہرنج دو دو فرسخ ہیں۔ اس کے بعد پندرہ دن کی مسافت پر عطر کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔(۱)

مغرب سے مشرق آنے کا یہ بحری راستی بصرہ (ابلہ) سے نکل کر فارس کے ساحلی مقامات سے ہوتا ہوا ہندوستان آتا ہے۔ ہندوستان کے لوگ قدیم زمانے میں اسی راستہ سے عام طور پر بصرہ تک آتے جاتے تھے، نیز عرب تاجران انہی راہوں سے گزر کر ہندوستان اور

(۱): المسالک والممالک، از صفحہ ۶۱ تا ۶۶ ملخص۔

چین کا سفر کرتے تھے۔

عمان سے لے کر بصرہ تک کا ساحلی علاقہ خلیج عرب (خلیج فارس) پر واقع ہے۔ اگر اس خلیج سے بصرہ سے مشرق کی طرف چلیں تو دایاں کنارہ عرب کا ہے، اور بایاں کنارہ فارس کا ہے، جو مشرق میں عرب کے علاقہ عمان اور فارس کے علاقہ بندر عباس تک ہو جاتا ہے۔ ابن خرداذبہ کے بیان کے مطابق اس خلیج کی چوڑائی ستر فرسخ ہے اور گہرائی ستر گز (باغ) سے اَسّی گز تک ہے اور بصرہ سے عمان تک بحری راستہ یوں ہے: بصرہ سے عبادان تک دریائے دجلہ سے گزر کر بارہ فرسخ ہے، یہاں سے خشبات دو فرسخ ہے، پھر خشبات سے بحرین ستر فرسخ ہے، یہ شط العرب کا علاقہ ہے۔ پھر دُور ایک سو پچاس فرسخ ہے اور یہاں سے عمان پچاس فرسخ ہے۔ عمان سے شحر دو سو فرسخ ہے اور شحر سے عدن ایک سو فرسخ ہے۔ عدن بڑی عظیم الشان بندرگاہ ہے۔ یہاں پر نہ کھیتی باڑی ہے اور نہ مویشی ہیں، مگر عنبر، عود، مشک، اور سندھ، ہندوستان، چین، زنج، حبشہ، فارس، بصرہ، جدہ اور قلزم کے تجارتی سامان بہت زیادہ رہتے ہیں۔ (۱)

یہ تو بصرہ سے عمان اور اس کے آگے ساحلی مقامات کے سمندری راستہ کی تفصیل ہے۔ ابن خرداذبہ نے بصرہ سے عمان تک کے ساحل اور خشکی کے راستے کی بھی یوں تفصیل بیان کی ہے:

بصرہ، عبادان، حدوثہ، عرفجار، زابوقہ، المقر، عصیٰ، معرس، خلیجہ، حسان، القریٰ، مسلیحہ جمض بساحل، ہجر، عقیر، قطر، السنجہ، عمان، عمان ہی میں صحار اور دبا شہر واقع ہیں۔ (۲)

سواحل عرب کے قدیم بحری اور برّی راستے

عرب اور ہندوستان کے قدیم تعلقات سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم خود عرب کے بھی قدیم ساحلی حدود اور ان کی مسافتیں سمجھ لیں، تاکہ ذہن میں ان کا اجمالی نقشہ آ جائے۔ ہم اسے قدیم عرب جغرافیہ نویس ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد فارسی اصطخری کی کتاب "مسالک الممالک" سے خلاصے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

ملک عرب بحر فارس (بحر عرب) سے یوں گھرا ہوا ہے کہ عبادان سے بحرین ہوتا

(۱): المسالک والممالک، ص ۶۰، ۶۱۔ (۲): المسالک والممالک، ص ۶۰۔

ہوا عمان تک چلا گیا ہے۔ پھر سواحل مہرہ، حضر موت اور عدن پر مڑتا ہوا سواحل یمن سے جدہ تک گیا ہے۔ پھر جار پر مڑ کر کرایئہ پہنچا ہے۔ یہاں پر بحر فارس (بحر عرب) کی دیارِ عرب کی حد ختم ہو جاتی ہے، اور یہاں سے سمندر کی جو پٹی شروع ہوتی ہے اسے بحر قلزم (بحر احمر) کہتے ہیں، جو تاران اور جبیلات تک چلی جاتی ہے۔ یہ پورا علاقہ دیارِ عرب کا مشرقی، جنوبی اور کچھ مغربی حصہ ہے۔ یہاں سے بحر قلزم ایلہ سے ہوتا ہوا قوم لوط کی بستی اور بحیرۂ منتنہ (بدبودار سمندر) سے گزر کر شرات اور بلقاء تک گیا ہے، یہ فلسطین کی بستیاں ہیں، پھر یہاں سے اذرعات، حواران، بثینہ، غوطہ اور نواحی بعلبک سے گزرا ہے، یہ دمشق کا علاقہ، یہاں سے تدمُر، سلمیہ سے گزرا ہے، جو حمص کی بستیاں ہیں اور یہاں سے خناصرہ، بالس سے گزرا ہے، یہ سب قنسرین کے علاقے ہیں۔ یہاں آ کر ہم دریائے فرات کے پاس آ جاتے ہیں، یہ دریا دیارِ عرب کے علاقہ جات رقہ، قرقیسیا، رحبہ، والیہ، حدیثہ، ہیت اور انبار ہوتا ہوا کوفہ اور اس سے آگے اپنے سنگم تک چلا گیا ہے۔ پھر وہاں سے کوفہ اور حیرہ کے اطراف سے خورنق اور سوادِ کوفہ ہو کر واسطہ کے حدود تک گیا ہے، جہاں سے دریائے دجلہ کا فاصلہ ایک مرحلہ رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد سوادِ بصرہ اور اس کے سنگلاخوں (بطائح) سے ہوتا ہوا عبادان تک چلا گیا ہے۔ یہ ہیں دیارِ عرب کے پورے حدود جس سے یہ ملک گھرا ہوا ہے۔

عبادان سے ایلہ تک بحر فارس (بحر عرب) دیارِ عرب کے تقریباً تین چوتھائی علاقہ کو شامل ہے، جو عرب کا مشرقی، جنوبی اور کچھ مغربی حصہ ہے، اور ایلہ سے بالس کی حد ملک شام سے ہے۔ بالس سے عبادان تک عرب کی شمالی حد ہے، جس میں بالس سے انبار کے آگے تک ارضِ جزیرہ ہے، اور انبار سے عبادان تک عراق کا علاقہ ہے۔ ایلہ کے پاس دیارِ عرب سے ایک ریگستان ملا ہوا ہے، جسے تیہ بنی اسرائیل کہتے ہیں، مگر یہ ریگستان دیارِ عرب میں شامل نہیں ہے، بلکہ عمالقہ، یونانیوں اور قبطیوں کی سرزمین سے ہے۔ اس میں نہ پانی ہے، نہ چراگاہ، البتہ چونکہ جزیرہ میں ربیعہ اور مضر کے عرب قبائل آباد ہیں اس لیے یہ دیارِ عرب میں سے ہے۔ ویسے یہ علاقہ فارس اور روم کا ہے، ان کی آبادیاں اور شہر اس علاقہ میں ہیں۔ ان کے اثر اور تعلق کی وجہ سے ان اطراف کے عرب قبائل نے رومیوں کا نصرانی دین قبول کر لیا، جیسے قبیلہ ربیعہ کے بنو تغلب ارضِ جزیرہ میں اور یمنی قبائل غسان،

بہراء اور تنوخ ارض شام میں عیسائی بن گئے۔

ملک عرب کے اندرونی علاقے میں کوئی سمندر یا دریا نہیں جس میں جہاز یا کشتی چل سکے۔ بحر معتہ جسے زغر کہتے ہیں، اگرچہ بادیۃ العرب سے متصل ہے، لیکن عرب میں شامل نہیں ہے اور یمن کے دیار سبا کا بند کوئی دریا یا سمندر نہیں تھا بلکہ پانی کو بند باندھ کر ایک نشیبی علاقے میں روک لیا گیا تھا، جسے وہاں کے لوگ اپنے باغات اور کھیتوں وغیرہ میں استعمال کرتے تھے مگر ان کے عدوان وطغیان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے تباہ کر دیا۔(۱)

بحری راستوں سے عرب کے ساحلی حدود کی مسافت اس زمانہ میں کشتیوں اور جہازوں کی رفتار سے یہ تھی: عباوان سے بحرین، تقریباً ۱۵ مرحلہ؛ بحرین سے عمان ایک مہینہ کی مسافت؛ عمان سے ارض مہرہ ایک مہینہ کی مسافت؛ مہرہ سے حضر موت ایک مہینہ کی مسافت؛ پھر حضر موت کے ابتدائی علاقہ سے عدن ایک مہینہ کی مسافت؛ عدن سے جدّہ ایک مہینہ کی مسافت؛ جدّہ سے ساحل جحفہ پانچ مرحلہ؛ جحفہ سے جار تین مرحلہ؛ جار سے ایلہ بیس مرحلہ؛ ایلہ سے بالس بیس مرحلہ؛ بالس سے کوفہ بیس مرحلہ؛ کوفہ سے بصرہ چودہ مرحلہ؛ بصرہ سے عباوان دو مرحلہ۔ یہی ساحلی مسافتیں دیارِ عرب کو گھیرے ہوئے ہیں۔(۲)

بحرین اور عباوان کے درمیان ایک دن کا ریگستانی راستہ نہایت دُشوار گزار اور بے آب وگیاہ ہے، اس لیے بحری راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ بصرہ سے بحرین تک اٹھارہ مرحلہ کا راستہ عرب قبائل سے آباد ہے، ان کی آبادیوں میں پانی کے چشمے بھی ہیں۔ اس راستے میں اگرچہ قافلے چلتے ہیں لیکن یہ خطرناک ہے۔ بحرین اور عمان کے درمیان کا راستہ بہت دشوار گزار ہے اور اس میں چلنا مشکل ہے، کیونکہ اس ریگستان میں آباد عرب قبائل آپس میں جنگ وجدال کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح عمان کے آگے خشکی کا راستہ چلنا سخت مشکل ہے، کیونکہ پورا علاقہ ریگستانی ہے اور آبادی بہت ہی قلیل ہے، اس لیے لوگ جدّہ جانے کے لیے بحری راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اگر ساحل سے چلیں تو مہرہ اور حضر موت سے عدن تک کا راستہ بہت طویل ہو جائے گا، یہی وجہ ہے کہ یہاں پر لوگ خشکی کا راستہ بہت ہی کم اختیار کرتے ہیں۔(۳)

(۱): مسالک الممالک اصطخری، از ص ۱۲ تا ۱۵۔ (۲): مسالک الممالک، ص ۲۷۔
(۳): مسالک الممالک، ص ۲۸۔

یہ عرب کے ساحلی اور ان کے اطراف و جوانب کے مقامات کی مختصری فہرست اور ان کی مسافتوں اور راستوں کی حالت ہے۔ ان ہی علاقوں میں ہندوستان کی قومیں قدیم زمانہ سے آتی جاتی تھیں اور پورے علاقے میں ان کی آمد و رفت ہوا کرتی تھی، جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آئے گی۔

جب اسلام کی دعوت عام ہوئی تو عرب کے انتہائی علاقوں کے باشندوں کی طرح یہاں کے ان ہندوستانیوں کو بھی یہ دعوت پہنچی جو عربوں کی زندگی میں شریک ہو گئے تھے، یا وہاں آتے جاتے تھے۔

ہندوستان اور عرب کے سواحل آمنے سامنے واقع ہیں اور دونوں ہی قدرت کے خصوصی فیضان کا مظہر ہیں۔ ہندوستان کے سواحل پر نارجیل کے باغات ہیں تو عرب کے سواحل پر کھجور کے نخلستان ہیں، حتیٰ کہ جوز ہندی آج بھی اسی طرح مشہور ہے جس طرح عرب اور بصرہ کی کھجور مشہور ہے اور دونوں ہی پھل دونوں ملکوں کے باشندوں کی غذا میں اہم حصہ رکھتے ہیں۔

======

عرب و ہند کے قدیم تجارتی تعلقات

اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، مگر ہم جس خاص نقطۂ نظر سے لکھنا چاہتے ہیں، اس کی ضرورت اب بھی باقی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے ہندوستان کی جن بہت سی چیزوں کو استعمال فرمایا ہے، ان کے بارے میں اب بھی بہت کم معلومات ہیں، اس باب میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہندوستان کے کس مقام سے کیا چیز عرب میں جاتی تھی؟

عہد رسالت اور اس کے بعد تک عرب و ہند کے درمیان گوناگوں تعلقات تھے، مگر تجارتی تعلق سب سے زیادہ قدیم اور اہم تھا۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے مختلف قسم کی تجارتی اشیاء عرب جایا کرتی تھیں اور پھر وہاں کے مختلف بازاروں اور دوسرے ملکوں میں جا کر فروخت ہوتی تھیں۔ ہم ان کی اجمالی فہرست قدیم عرب جغرافیہ نویس ابن خرداذبہ کی کتاب ''المسالک والممالک'' سے پیش کرتے ہیں۔

ابن خرداذبہ نے پہلے اجمالی طور سے بتایا ہے کہ ہندوستان سے ہر قسم کا عود، صندل، کافور، ماخور، جوزبوا، قرنفل، قاقلہ، کبابہ، نارجیل، نباتاتی کپڑے، روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی دیار عرب میں جاتے تھے۔ سرندیپ سے ہر قسم اور ہر رنگ کے یاقوت، موتی، بلور، سنباذج، ملی؛ اور سنجان (سندان) سے قلفل؛ کلہ سے رصاص قلعی؛ جنوب سے بقم اور داذی یعنی تاڑی؛ اور سندھ سے قسط، بانس اور بید کی لکڑیاں عرب میں بھیجی جاتی تھیں۔(۱)

(۱): المسالک والممالک ص ۵۷

اس کے بعد تفصیل سے جس مقام سے جو چیز جاتی تھی اس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ سندھ میں قسط، بانس اور بید ہوتے ہیں۔ دریائے سندھ سے اوتکین تک چار دن کی مسافت ہے، اس پورے علاقہ کے پہاڑوں میں بانس کی پیداوار ہوتی ہے۔ سندان میں ساگوان اور بانس ہوتے ہیں؛ کم کم (کوکن) ساگوان کا ملک ہے؛ جزیرہ رامی میں گینڈے اور بید پیدا ہوتے ہیں؛ کلہ میں بھی بید کے جنگل ہیں؛ باتن، سنجلی اور کیشکان میں چاول ہوتا ہے؛ کنجہ اور لواء میں چاول اور گیہوں دونوں ہوتے ہیں؛ نیز سمندر، بالوس اور قمار میں چاول زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً ہط (سلہٹ) میں قرنفل یعنی لونگ ہوتی ہے؛ کامرون وغیرہ سے عود مقام سمندر میں لائی جاتی ہے؛ سرندیپ کے پہاڑوں پر عود پیدا ہوتی ہے؛ درہمی (بنگال) میں روئی کا مخملی کپڑا اور عود ہندی ہوتا ہے۔ جزیرہ تیومہ، قمار اور صنف میں بھی عود ہوتا ہے، عمود قماری سے بہتر عود صنفی ہوتی ہے، یہ عمدہ اور وزنی ہونے کی وجہ سے پانی پر تیرتی نہیں بلکہ ڈوب جاتی ہے، نیز سرندیپ میں مشک اور زباد ہوتے ہیں؛ زابج کے پہاڑوں میں کافور ہوتا ہے؛ تیومہ میں بھی کافور ہوتا ہے اور جزیرہ بابوس کا کافور بہت ہی عمدہ ہوتا ہے؛ سرندیپ میں عطر اور قسم قسم کی خوشبوئیں ہوتی ہیں؛ جابہ عطر کا دیس ہے، مثلاً ہط میں صندل اور سنبل ہوتا ہے؛ کلہ میں رصاص قلعی کی کان ہے۔ جزیرہ رامی کے باشندے سمندر میں تیر کر اور کشتیوں پر عرب تاجروں کے جہاز تک آتے ہیں، اور لوہے کے بدلے عنبر فروخت کرتے ہیں، جزیرہ لنکابالوس کی دولت لوہا ہے۔ سرندیپ کے پہاڑوں پر اور ان کے اطراف میں ہر قسم اور ہر رنگ کے یاقوت پائے جاتے ہیں اور اس کی وادیوں میں الماس اور پہاڑوں میں عود، قلفل، عطر، خوشبو، مشک، زباد کے جانور، نارجیل اور سباد ج کی کثرت ہے۔ یہاں کے دریاؤں میں بلور ہے اور اطراف کے سمندر سے موتی نکلتے ہیں، جزیرہ رامی میں بید، بقم اور سم ساعہ پائے جاتے ہیں۔ اس تریاق کو مسافروں نے سانپ کے زہر سے آزمایا ہے؛ اور نشین میں ہاتھی، چوپائے، بھینسیں اور دیگر اشیاء پائی جاتی ہیں۔ اس کے آگے ابینہ میں ہاتھی پایا جاتا ہے؛ رامی میں گینڈا ہوتا ہے؛ قامرون کے علاقہ میں گینڈا اور سونا بہت زیادہ ہے؛ زابج کے پہاڑوں میں سانپ اور اژدہے پائے جاتے ہیں۔ (۱)

عرب جانے والی ہندوستانی اشیاء کی یہ فہرست مکمل نہیں ہے، بلکہ مذکورہ اشیاء

(۱): المسالک والممالک، ص ۶۰ تا ۶۵۔

کے علاوہ بھی بہت سی تجارتی چیزیں یہاں سے جاتی تھیں، مثلاً ہندی تلواریں، سندھ سے سندھی کپڑے، سندھی مرغی، پالہ اونٹ (فالج) جس کی نسل سے عرب کا مشہور بختی اونٹ ہوتا ہے، مندل سے عود ہندی، بروص (بھڑوچ) سے بھڑوچی نیزے اور ان کے بانس، کھنبائت اور سندان سے نعال کنبایتہ یعنی کھمبائیت کے جوتے اور نارجیل، تھانہ سے عمدہ کپڑے؛ اور اسی طرح مختلف مقامات کی مختلف چیزیں عرب میں جایا کرتی تھیں۔

عرب میں ہندوستانی مال کی چار ساحلی منڈیاں

ابلہ، صحار، عدن اور جار

یوں تو پورے عرب میں ہندوستان کے مال کی کھپت ہوتی تھی اور دورِ جاہلیت کے ہر بازار میں یہاں کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں، مگر ان کی چند خاص منڈیاں بھی تھیں، جہاں یہ چیزیں بھاری مقدار میں رہا کرتی تھیں۔ گویا یہ ہندوستانی اشیاء کے گودام تھے، جیسے ابلہ، صحار، جار اور عدن وغیرہ، جہاں عرب کے ساحلی شہروں کے علاقوں سے بلکہ ہندوستان اور چین تک سے تجارتی جہاز اور کشتیاں لنگر انداز ہوتی تھیں۔ ابلہ قدیم زمانے سے ارض الہند اور فرج الہند والسند کے لقب سے مشہور تھا۔ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے جب ۱۴ھ میں ابلہ کو فتح کیا تو اس کی مرکزیت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جو مکتوب لکھا اس میں تحریر تھا:

اما بعد فان اللہ و لہ الحمد فتح علینا الابلۃ وھی مرفی سفن البحر من عمان والبحرین و فارس والھند والصین	اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ابلہ پر فتح دی ہے، یہ مقام عمان، بحرین، فارس، ہندوستان اور چین سے آنے والے جہازوں کی بندرگاہ ہے۔

جب ابلہ کے قریب ۱۴ھ میں بصرہ آباد ہوا تو اس کی تجارتی مرکزیت کی وجہ سے بعض صحابہ نے یہاں تجارتی کاروبار کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ حضرت نافعؓ بن حارث بن کلدہ ثقفی نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

یا امیر المومنین انی قد افلیت فلاء بالبصرۃ واتخذت بھا	اے امیر المومنین! میں نے بصرہ میں ایک جگہ اپنے لیے گھیر رکھی ہے اور وہاں پر تجارتی

تجارۃ (۱) کاروبار شروع کر دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عتبہؓ بن غزوان کو اس بارے میں ایک سفارش لکھ دی۔

ابلہ کے بعد خلیج عربی کے سواحل پر ظفار اور صحابہ ہندوستانیوں کی بحری تجارت کے قدیم مرکز تھے۔ فجر الاسلام میں ہے:

وفی مشرقی حضرموت ظفار وھی من قدیم مصدر التوابل والطیب ونجور المعابد ولایزال الی الیوم یرسل فیھا الی الھند (۲)	حضرموت کے مشرق میں ظفار قدیم زمانہ سے گرم مسالوں، خوشبوؤں اور عبادت گاہوں کے بخور کی منڈی ہے اور آج بھی یہاں پر ہندوستان مال بھیجا جاتا ہے۔

جاہلی دور کے خاص خاص بازاروں میں عمان کے سوق صحار اور سوق دبا (دُبَیٰ) بہت مشہور تھے، جن میں سندھ، ہند، چین اور مشرق و مغرب کے غیر ملکی تاجر جمع ہوتے تھے۔ ان کا نگراں مقامی حاکم جلہندی بن مستکبر تھا، جو تاجروں سے عُشر لیتا تھا۔ (۳)

جنوبی عرب میں ہندوستانیوں کی بحری تجارت کا اہم مرکز یمن تھا، جس میں صنعاء، قصر، غمدان، آرب، نجران اور عدن جیسے بڑے بڑے شہر شامل تھے، ابن خرداذبہ نے عدن کے بارے میں لکھا ہے:

وبھا العنبر، والعود، والمسک ومتاع السند والھند، والصین والزنج والحبشۃ وفارس والبصرۃ و جدۃ وقلزم (۴)	یہاں پر عنبر، عود، مشک ملتا ہے، اور سندھ، ہندوستان، چین، زنج، حبشہ، فارس، بصرہ، جدہ اور بحر قلزم کے سامان اور مال رہتے ہیں۔

یمن کی قدیم تجارت میں ہندوستانی اشیاء کی کثرت اور ان کی نکاسی کا اندازہ اس

(۱): اخبار الطوال، ص ۱۱۷۔ (۲): فجر الاسلام، ج ۱، ص ۳۔
(۳): کتاب المحبر ص، ص ۲۶۶، طبع حیدر آباد اور کتاب الامکنہ والازمنہ، ج ۲، ص ۱۶۳، طبع حیدر آباد۔ (۴): المسالک والممالک، ص ۶۱۔

بیان سے ہوتا ہے:

وكانت التجارة قديما في يد اليمنيين وكانوا اهم العنصر الظاهر فيها فعلى يدهم كانت تنقل غلات حضرموت و ظفار دواردات الهند الى الشام ومصر (۱)

قدیم زمانہ میں تجارت اہل یمن کے ہاتھ میں تھی اور یہ لوگ تجارت میں غالب عنصر تھے، ان کے ہاتھوں حضرموت اور ظفار کے مال اور ہندوستان کی چیزیں شام اور مصر جایا کرتی تھیں۔

ابلہ، صحار اور عدن کی طرح عرب کے مغربی علاقہ میں بحر احمر کی مشہور قدیم بندرگاہ جار بھی بہت بڑی تجارتی منڈی تھی، یہاں پر مصر اور حبشہ کی طرح بحرین اور مشرق بعید چین تک سے تجارتی جہاز آتے تھے، جار چونکہ مدینہ منورہ کی قریبی بندرگاہ تھی، اس لیے یہاں کا مال مدینہ اور اطراف کی بستیوں میں کثرت سے فروخت ہوتا تھا، خاص شہر مدینہ کے علاوہ اطراف و جوانب میں مالدار یہودیوں کی آبادیاں تھیں اور بازار لگتے تھے۔ اس لیے جار کی بندرگاہ پر بھی ہندوستانی سامان تجارت بکثرت آتے تھے، مدینہ اور اس کے اطراف کی تجارت بہت کامیاب تھی، اسی لیے جب صحابہ کرامؓ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ان میں سے اکثر حضرات نے تجارتی کاروبار شروع کر کے ترقی کی، عرام بن الاصبغ سلمی قدیم ترین عرب جغرافیہ داں گزرا ہے اس نے اپنی کتاب "اسماء جبال تہامہ وسکانہا و مافیہا من القریٰ" میں جار کے بارے میں لکھا ہے:

والجار على شاطئ البحر، ترفأ اليه السفن من ارض الحبشه، ومصر، ومن البحرين والصين وبها منبر، وهي قرية كبيرة اهلة وشرب اهلها من البحيرة وبالجار قصور كثيرة ونصف

جار بحر احمر کی ساحلی بستی ہے، یہاں پر حبشہ اور مصر سے اور بحرین اور چین سے جہاز آ کر لگتے ہیں، یہاں پر علاقائی سرکاری مرکز ہے، یہ بستی بہت بڑی اور آباد ہے، یہاں کے لوگ تالاب سے پینے کا پانی حاصل کرتے ہیں اور جار میں بہت سے قلعہ جات ہیں، جار کی

(۱): فجر الاسلام، ج ۱، ص ۱۲۔

الجار في جزيرة من البحر ونصفها على الساحل، وبحذاء الجار جزيرة في البحر تكون ميلاً في ميلٍ لا يعبرا اليها إلا في السفن، وهي مرفاء الحبشة خاصةً يقال لها قراف، وسكانها تجار كنحو اهل الجار يوتون بالماء من فرسخين (۱)	نصف آبادی سمندر کے اندر جزیرہ میں ہے اور نصف آبادی ساحل پر ہے، جار کے محاذات میں سمندر کے اندر ایک اور جزیرہ ہے، جو ایک میل لمبا چوڑا ہے، کشتیوں کے ذریعہ وہاں جایا جاتا ہے، یہ جزیرہ خاص طور سے حبشہ کے جہازوں کی بندرگاہ ہے اس کو قراف کہتے ہیں۔ یہاں کے باشندے تاجر ہیں جیسا کہ جار کے باشندے تاجر ہیں، یہاں کے لوگ دو فرسخ سے پینے کا پانی لاتے ہیں۔

مدینہ کی یہ بندرگاہ قدیم مسافت کے حساب سے مدینہ سے ایک رات ایک دن کی دوری پر واقع ہے۔

غالب گمان ہے کہ مدینہ میں ہندوستان کی جو اشیاء فروخت ہوتی تھیں، وہ بحرین سے براہِ سمندر جار آتی تھیں، کیونکہ ریگستان کے دُور دراز راستے کے مقابلے میں یہ آسان تھا۔ جب اس بندرگاہ پر چین تک کے تجارتی جہاز آتے تھے تو عرب اور چین کے درمیان کے ملک ہندوستان سے تجارتی اشیاء براہِ راست یہاں جاتی رہی ہوں گی۔

اندرون عرب کا سب سے اہم تجارتی مرکز مکہ مکرمہ

یمن اور عدن مشرقی دنیا کے تجارتی مال کی قدیم منڈی تھے، جہاں سے دوسرے ممالک میں عرب تاجروں کے ذریعہ مال جایا کرتا تھا، مگر بعد میں ایرانیوں اور رومیوں کے عمل دخل کی وجہ سے یہاں کی تجارت پر زوال آ گیا۔ بحر احمر پر رومیوں کے غلبہ کے بعد جب یمنیوں کی تجارت کمزور پڑنے لگی، تو اہل یمن نے بحری راستہ کے بجائے اندرون عرب کے برّی راستوں سے غیر ملکوں کا تجارتی سفر شروع کیا۔ یہ راستہ حضر موت سے شروع ہوتا تھا اور بحر احمر کے اوپر صحرائے نجد سے بچتا ہوا مکہ مکرمہ تک جاتا تھا، جس کی وجہ سے مصر و شام اور یمن کے درمیان مکہ بہت بڑی منڈی بن گیا اور حجازیوں میں تجارت خوب

(۱): کتاب اسماء جبال تہامہ وسکانہا و ما فیہا من القریٰ، مطبوعہ قاہرہ، ص ۹، ۱۰۔

چلی۔ خاص طور سے قریش نے جنوب میں یمن کا، اور شمال میں شام کا تجارتی سفر شروع کیا۔ قرآن حکیم نے رحلة الشتاء والصيف میں ان ہی تجارتی اسفار کو بیان کیا ہے۔ اطراف عرب سے لوگ حجاز کے تجارتی اور مرکزی شہر مکہ میں آتے اور ہر قسم کے ملکی اور غیر ملکی سامان آسانی سے حاصل کرتے۔ مکہ کا سب سے بڑا سالانہ بازار عکاظ میں ہوتا تھا، جو طائف کے راستہ میں ایام حج کے قریب لگتا تھا اور اسی کے قریب ایام حج میں ذوالمجاز کا بازار لگتا تھا اور مکہ سے بڑے بڑے تجارتی قافلے باہر جاتے تھے۔ طبری کی تشریح کے مطابق بعض اوقات ان قافلوں میں ۱۵۰۰ بار بردار اونٹ ہوا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعض اوقات ان تجارتی قافلوں میں نکلتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے پہلی مرتبہ بارہ سال کی عمر میں اور دوسری مرتبہ ۲۵ سال کی عمر میں ملک شام کا تجارتی سفر فرمایا۔ ایک مصری فاضل کا بیان ہے:

كانت مكة محطاً لاصحاب القوافل الأتية من جنوب العرب تحمل بصنائع الهند واليمن الى الشام ومصر ينزلون بها و يسقون من بئر شهيرة بها تسمى بير زمزم وياخلون منها حاجتهم من الماء (۱)

مکہ جنوب عرب سے آنے والے قافلوں کی منزل تھا، یہ قافلے ہندوستان اور یمن کے سامانِ تجارت شام اور مصر لے جاتے تھے اور مکہ میں قیام کر کے وہاں کے مشہور کنویں زمزم سے سیراب ہوتے اور آگے کے لیے بقدر ضرورت پانی پیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کچھ پہلے جزیرۃ العرب ایرانی اور بازنطینی طاقتوں کا مرکز بن گیا تھا۔ بازنطینی اقتدار حبشہ کے تعاون سے اپنا اثر بڑھا رہا تھا، اور ایرانی حکومت اپنا کام کر رہی تھی۔ اس کشمکش میں شامی علاقہ کی تجارت خراب ہونے لگی، اور بازنطینی اقتدار کے لیے عرب کے بازاروں سے عمدہ عمدہ اشیاء نایاب ہونے لگیں، خاص طور سے یورپ کے گرجاؤں اور پادریوں کے لیے ہندوستان کے عمدہ ریشمی کپڑوں کا قحط پڑ گیا۔ اس لیے رومیوں نے بحر احمر کی راہ سے حضر موت اور یمن وغیرہ کی منڈیوں پر قبضہ

(۱): المجمل فی تاریخ الادب العربی، ص ۲۷، مطبع امیریہ قاہرہ۔

جمایا اور چونکہ حبشہ اور روم کا مذہب مسیحی تھا، اس لیے مذہب کے نام پر حبشہ کے بادشاہ اور عوام کو رومیوں نے اپنی مدد کے لیے آواز دی:

وارسل الامبر اطور البیزنطی جوستیان (۵۲۷ـ۵۶۵ء) سفیر الی ملک الحبشة اهاب باسم الدین و المصلحة ان یقوم هود السمیفع حاکم حمیر بقتال الفرس وان یتولی الاحباش شراء الحریر من اطنود، ثم یبعیونه بدورهم الی بیزنطة فیجنون ارباحا طائلة (۱)

بازنطی (رومی) شہنشاہیت نے جوسٹیان نامی ایک سفیر کو شاہِ حبشہ کے پاس بھیجا، اور دین و مصلحت کے نام پر کہا کہ وہ اور حمیر کا بادشاہ سمیفع دونوں ایرانیوں سے ہماری طرف سے جنگ کریں اور یہ کہ حبشہ کے تاجر ہندوستانیوں سے ریشمی کپڑے خریدیں اور روم کا تجارتی سفر کر کے ان کو بھاری نفع پر فروخت کریں۔

اس صورت حال سے مکہ کے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور براہِ خشکی یمن وعدن سے تجارت شروع کر دی۔ قریش نے اس سلسلہ میں دو تجارتی سفروں کا طریقہ اختیار کیا۔ مال کی خریداری کے لیے جاڑے میں یمن اور حبشہ کا سفر اور فروخت کرنے کے لیے گرمی میں شام کا سفر۔

ابتدا میں قریش میں تجارتی کاروبار قریش بنی مخزوم کیا کرتے تھے، بعد میں جب ترقی ہوئی تو بنی ہاشم نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن تک مکہ کا تجارتی مرکز پورے طور پر قائم تھا۔

مکہ چونکہ تجارتی مرکز بن گیا تھا، اس لیے یہاں کی تمدنی زندگی میں بھی بڑی ترقی ہو گئی تھی، زبان میں بھی وسعت پیدا ہو گئی تھی، اور قریش کی یہی زبان قرآن اور اسلام کی زبان قرار پائی۔ چنانچہ قرآن وحدیث میں بہت سے ہندوستان میں بولے جانے والے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ قرآن میں کافور (کپور) زنجبیل (زنجابیر) مشک (موشکا) وغیرہ ہندوستانی الفاظ ہیں، جن کو قریش نے اپنے طور پر معرب کر لیا تھا۔ احادیث میں قسط (کٹھ)

(۱): تاریخ العرب، از بروکو بیومیں، بحوالہ مجلۃ العربی، کویت، ذوالحجہ، ۱۳۸۱ھ۔

زط (جاٹ) عود ہندی، مشک وغیرہ کے نام ملتے ہیں، جو ہندوستانی نام ہیں، نیز مکہ میں ہندوستان کے لوگ رہتے تھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں جاٹوں کا تذکرہ ہے اور حضرت کعب بن مالکؓ کے ایک شعر میں ہندوستان کے لوہاروں کا ذکر ہے۔

عرب کے خاص خاص مقامات سے منسوب ہندوستانی اشیاء

عرب میں ہندوستانی تجارت کے ان بڑے بڑے مرکزوں کے علاوہ بعض بعض علاقوں میں ہندوستان کی چیزیں اس قدر مشہور ہو گئی تھیں کہ ان ہی علاقوں کے نام سے منسوب تھیں، حالانکہ وہ ہندوستانی ہوتی تھیں۔

خط

مثلاً خطی ان نیزوں کو کہتے تھے جو ارض خط کی طرف منسوب تھے، حالانکہ وہ دراصل ہندوستان کے بید اور بانس سے بنتے تھے۔ خط بحرین اور عمان کے پورے ساحل کو کہتے ہیں، جس میں قطیف، عقیر اور قطر جیسے بڑے بڑے علاقے شامل تھے۔ ان علاقوں میں ہندوستان کے بید اور بانس سے بھری ہوئی کشتیاں جاتی تھیں اور ان سے نیزے بنائے جاتے تھے۔(۱) اسی طرح سمہری نیزے جو عرب میں بہت مشہور ہیں، وہ بھی اسی علاقہ خط میں تیار ہوتے تھے، اور سمہر نامی ایک شخص ان کو ہندوستان کی لکڑیوں سے تیار کر کے فروخت کرتا تھا۔(۲)

دارین

نیز بحرین کے علاقہ میں دارین نام کی ایک مشہور بندرگاہ تھی، جہاں کا ہندوستانی مشک سارے عرب میں مشہور تھا۔ عربی ادبیات و اشعار میں مشک دارین اور داری کے نام سے اس کا تذکرہ ملتا ہے، لسان العرب میں خطی نیزے کے بیان کے ضمن میں ہے:

کما قالوا مسک دارین، ولیس هنالک مسک ولکنها مرفا السفن التی تحمل المسک من الهند (۳)

جیسے مشک دارین کہتے ہیں، حالانکہ مقام دارین میں مشک نہیں ہوتا، بلکہ وہ ان کشتیوں کی بندرگاہ ہے جو ہندوستان سے مشک لائی ہیں۔

---

(۱): لسان العرب، جلد ۷، ص ۲۹۰۔ (۲): ایضاً، جلد ۴، ص ۳۸۱۔ (۳): ایضاً، جلد ۷، ص ۲۹۰

اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا علاقۂ خط اور علاقۂ دارین ہندوستان کے تجارتی مال کے لیے مشہور تھا اور یہاں پر ہندوستان سے آئے ہوئے بید اور بانس اور مشک اندرون عرب جاتے تھے اور ان کی بھاری مقدار یہاں ہر وقت موجود رہتی تھی۔

عرب کے بڑے بڑے موسمی اور مقامی بازار

ابلہ، صحار اور یمن و عدن ہندوستانی مال کی خاص منڈی تھے، جہاں سے پورے عرب اور ایران، مصر اور روم تک اس کا مال جاتا تھا۔ ان کے علاوہ اندرونِ عرب جو بازار خاص خاص موسموں میں ہوا کرتے تھے، ان میں بھی ہندوستانی مال کی کثرت سے خرید و فروخت ہوتی تھی۔ علامہ ابوعلی مرزوقیؒ نے ''کتاب الازمنہ والامکنہ'' میں اسواق عرب کا نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عرب میں کل تیرہ بڑے بڑے بازار لگتے تھے، جن کے نام ترتیب وار یہ ہیں: (۱) دومۃ الجندل (۲) صحار (۳) دبا (۴) شحر (۵) رابیہ حضرموت (۶) ذوالمجاز (۷) نطاۃ خیبر (۸) مشقر (۹) منیٰ (۱۰) حجر (۱۱) عکاظ (۱۲) عدن (۱۳) صنعاء

دومۃ الجندل

دومۃ الجندل کا بازار اپنے محل وقوع کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا تھا، یہاں سے مدینہ اور کوفہ تیرہ تیرہ مرحلے پر تھے اور دمشق دس مرحلے پر تھا۔ یہ بازار غرۂ ربیع الاول سے شروع ہو کر نصف ماہ تک پورے زور پر رہتا تھا اور آخر مہینہ تک چلا جاتا تھا۔ اس کے قریب بنو کلب، بنو جدیلہ اور بنو طے آباد تھے اور دو حکمران اکیدر عبادی اور قنافہ کلبی یہاں پر ٹیکس وصول کرتے تھے، اور ان ہی سے اس کا افتتاح ہوتا تھا۔

مشقر

مشقر مقام ہجر (بحرین) میں واقع ہے۔ دومۃ الجندل سے تاجر اور خریدار اٹھ کر یہاں آتے تھے۔ یہ بازار پہلی جمادی الاخریٰ سے آخر مہینہ تک لگتا تھا۔ اس کے اطراف میں بنو عبدالقیس اور بنو تمیم آباد تھے۔ بنو تمیم جو منذر بن ساوی سے تعلق رکھتے تھے، یہاں کا نظم و نسق سنبھالتے تھے۔ ان کی حیثیت شاہانِ فارس کے نائب کی تھی۔ اس بازار میں اہل

فارس براہِ خشکی بڑی کثرت سے آتے تھے اور ان کی تجارت خوب چلتی تھی۔

صحار

صحار کا بازار پہلی رجب سے بیس رجب تک لگتا تھا اور مشرق کی ساری رونق یہاں سمٹ آتی تھی۔ جو لوگ کسی وجہ سے پہلے دونوں بازاروں میں شریک نہیں ہو سکتے تھے، وہ سوق صحار میں شریک ہوتے تھے۔ یہاں عرب حکمران حلبندی عشر وصول کرتا تھا۔

دَبا

دَبا (دبیٰ) کا بازار صحار کے بعد لگتا تھا۔ یہ مقام ہندوستان کے تجارتی جہازوں کے لیے بہت بڑی بندرگاہ تھا۔ ہندوستان، سندھ اور چین غرض کہ مشرق و مغرب کے تاجر یہاں جمع ہوتے تھے۔

وكانت احدى فرض الهند يجتمع بها تجار الهند والسند والصين واهلا المشرق والمغرب (١)	دبا ہندوستان کی بندرگاہ تھی، جہاں ہندوستان سندھ اور چین بلکہ مشرق مغرب کے تاجر جمع ہوا کرتے تھے۔

سوق دبا کی ابتدا رجب کے آخری دن ہوتی۔ یہاں بھی ہر قسم کے مال کی بڑی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

شحر مہرہ

شحر مہرہ کا بازار اس پہاڑ کے درمیان میں لگتا تھا جس پر حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔ سوق دبا کے برّی اور بحری تاجر اٹھ کر یہاں آ جاتے، اس کا وقت نصف شعبان تھا، یہاں عشر وغیرہ نہیں لیا جاتا تھا۔ پھر شحر مہرہ سے تاجر اور خریدار اُٹھ کر عدن آتے تھے۔

عدن

بحری تاجروں میں وہی لوگ یہاں پر آتے جن کا تمام مال پہلے بازاروں میں فروخت نہیں ہوتا تھا، وہ یہاں آ کر باقی مال فروخت کرتے تھے۔ اسی طرح

(۱): کتاب الازمنہ والامکنہ مرزوقی، ج۲، ص۱۶۳، طبع حیدرآباد اور کتاب المجر، ص۲۶۶، طبع حیدرآباد

خریداروں میں بھی وہی زیادہ ہوتے جو دوسرے بازاروں میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ سوق عدن پہلی رمضان سے بیس تک رہتا تھا، یہاں کے منتظم ملوک حمیر تھے جو عشر لیتے تھے۔ آخر میں ابنائے فارس یہ رقم وصول کرنے لگے تھے، ان کے حسن انتظام کی دھوم دھام ہندوستانی تاجروں میں اس قدر تھی کہ پورے ہندوستان میں اس کا چرچا تھا۔

حتی ان تجار البحر لترجع بالطیب المعمول تفخر به فی السند والهند و ترتحل به تجار البر الیٰ فارس (۱)

بحری تاجر یہاں کے حسن کارکردگی کا فخریہ تذکرہ سندھ اور ہندوستان میں کرتے تھے، اور بری تاجر اسے پورے فارس میں جا کر بیان کرتے تھے۔

صنعاء

عدن کے بعد صنعاء کا بازار نصف رمضان سے شروع ہو کر آخر تک رہتا تھا، یہاں کپڑے، لوہے، روئی، زعفران اور مختلف رنگوں کی تجارت خوب ہوتی تھی۔

رابیہ

پھر صنعاء کا یہ بازار ختم ہو کر دو بازاروں میں منقسم ہو جاتا تھا، یعنی سوق رابیہ، حضرموت اور سوق عکاظ۔ یہ دونوں بازار ایک ہی وقت میں نصف ذی قعدہ میں لگتے تھے، چونکہ رابیہ حضرموت کے بازار کا منتظم اور نگران کوئی حکمران نہیں ہوتا تھا، اس لیے تاجر اس کی طرف کم توجہ کرتے تھے۔

عکاظ

سوق عکاظ نجد کے بالائی علاقہ میں عرفات کے قریب لگتا تھا۔ یہ پورے عرب کا سب سے بڑا بازار تھا، اس میں قریش مکہ، ہوازن، غطفان، خزاعہ اور احابیش یعنی حارث بن عبد مناۃ، عضل، مصطلق اور دوسرے عرب قبائل آتے تھے۔ نصف ذی قعدہ سے غرۂ ذوالحجہ تک رہتا تھا، یہاں کسی قسم کا ٹیکس نہیں تھا۔ اس میں نہایت عمدہ اور نایاب سامان فروخت ہوتا تھا۔ جو عرب کے کسی بازار میں نہیں ملتا تھا۔ ملوک یمن اور ملوک حیرہ یہاں پر

(۱): کتاب الازمنہ والامکنہ، ج ۲، ص ۱۶۴۔

عمدہ تلواریں، نفیس حلّے، قیمتی سواریاں، مشک، عود اور دوسری قیمتی چیزیں تجارت کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ عربوں میں جو ان کی بولی بولتا اور ان کو خریدتا، وہ بہت ہی معزز سمجھا جاتا اور اسے ان بادشاہوں کے دربار میں باریابی کا شرف حاصل ہوتا۔

ذوالمجاز

ذوالحجہ کا چاند دیکھتے ہی عکاظ کا بازار ٹوٹ کر ذوالمجاز میں منتقل ہو جاتا تھا اور یہاں کے تمام تاجر وہاں پہنچ کر خرید وفروخت میں مشغول ہو جاتے۔ یہ مقام عکاظ سے بہت قریب ہے۔ ذوالمجاز میں لوگ یوم ترویہ تک مقیم رہتے۔ عرب کے حجاج اور دوسرے بازاروں میں نہ شریک ہونے والے افراد عام طور سے سوق ذوالمجاز میں شریک ہوتے تھے۔

دوسرے اسواق

ان بازاروں کے علاوہ سوق نطاۃ خیبر اور سوق حجر یمامہ میں خرید وفروخت کی سرگرمیاں ہوا کرتی تھیں۔ بعضوں نے مجنہ کو بھی اسواقِ عرب میں شمار کیا ہے۔ یہ مقام ذوالمجاز اور شحر سے قریب حضرموت کے پیچھے واقع ہے۔ سوق دیرایوب بھی ایک بازار تھا، اور سوق بصریٰ بھی ۲۵ دن تک ہوتا تھا، جو بنوامیہ کے زمانہ تک جاری رہا اور چالیس دن تک رہتا تھا، نیز سوق اذرعات پانچویں صدی تک جاری رہا۔ یہ اس دور میں عرب کے بازاروں میں سب سے بڑا بازار ہوتا تھا۔(۱)

عربی ادبیات میں ہندوستان کی اشیاء کا ذکر

جیسا کہ گزشتہ بیان سے معلوم ہو گیا۔ عرب میں قدیم زمانہ سے ہندوستان کی بہت سی چیزیں کثرت سے استعمال ہوتی تھیں۔ عربوں کی زندگی میں ان کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اس کا اندازہ عرب شعرا کے کلام سے بھی ہوتا ہے، جنہوں نے اشعار میں ہندوستان کی چیزوں کا تذکرہ کیا ہے، اس سلسلے میں چند چیزوں کے نمونے کافی ہیں۔

ہندی تلوار

ہندی تلوار عربوں کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے اور قدیم زمانے سے ہندوستان

---

(۱): اسواق عرب کی تفصیل کے لیے کتاب الازمنہ والامکنہ مرزوقی، ج۲، ص۱۶۲، ۱۶۶ ملاحظہ ہو۔

کی تلواریں عربوں کی بہادری میں چار چاند لگاتی ہیں۔ اس کے کئی نام ہیں: سیفِ ہند، ہندی، مہند، ہندوانی اور ہندوانی اور قلعی۔

شریف ادریسی نے ''نزہتہ المشتاق'' میں لکھا ہے کہ جنوبی ہندوستان کے بلاد سفالہ اور بلاد زنج میں لوہے کی کانیں ہیں، مگر یہاں کے باشندے خام لوہا فروخت کرتے ہیں اور ہندوستان کے لوگ اس کی تلواریں بناتے ہیں۔

ولكن الهند يحسنون تراكيب اخلاط الادوية التي يسبكون بها الحديد اللين فيعود هندیا ينسب الى الهند وبها دور الضرب للسيوف و صنّاعهم يجيدونها فضلاً على غيرهم من الامم وكذلك الحديد السندى والسرنديبي واليلماني كله يتفاضل بحسب هواء املكان وجودة الصنعة واحكام السبك والضرب وحسن الصيقل والجلاء ولا يوجد شيء من الحديد امضى من الحديد الهندى وهذا شيء مشهور لايقدر احد على انكار فضيلته (۱)

ہندوستانی ان دواؤں کی ترکیب اچھی طرح جانتے ہیں جن سے نرم لوہا پگھلایا جاتا ہے، جس کے بعد اسے ہندی لوہا کہنے لگتے ہیں، اور یہاں تلوار بنانے کے کارخانے ہیں اور کاری گر ہر ملک کے لوگوں سے اچھی تلوار بناتے ہیں، اسی طرح سندھی لوہا، سرندیبی لوہا اور یلمانی لوہا، آب و ہوا کی مناسبت، بناوٹ اور ڈھلائی، صیقل گری اور صفائی وغیرہ کی وجہ سے ہر جگہ سے عمدہ ہوتا ہے، ہندوستان کے لوہے سے زیادہ تیز اور کاٹ میں عمدہ کوئی لوہا نہیں ہوتا اور اس حقیقت کے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

عربی شاعری میں ہندی تلوار کا تذکرہ اس کثرت سے آیا ہے جس کثرت سے خود ہندی تلوار استعمال ہوتی تھی، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

زہیر بن ابی سلمیٰ نے کہا ہے:

كالهند وانى لا يخزيك مشهده　　وسط السيوف اذا ما تضرب البهم

(۱): وصف الہند

دوسری تلواروں کے درمیان میں ہندی تلوار تم کو میدان جنگ میں ناکام نہیں کرسکتی ہے جب کہ اسلحہ بند لشکر میں جنگ ہو۔

طرفہ بن عبد نے اپنے معلقہ میں کہا ہے:

وظلم ذوی القربی أشد مضاضةً　　علی المرٔ من وقع الحسام المهنّد

آدمی کے لیے اپنوں کا ظلم ہندی تلوار سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

و تخرج منه صرة القرّ جزأةً　　وطول السریٰ دری عضب المهند

سردی کی شدت ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالتی ہے اور اس حالت

میں رات کا طویل سفر ہندی تلوار کی کاٹ ہوتا ہے

ایک شاعر نے کہا ہے:

أعن لی علی الهندی امهلا و کرّةً　　لدی برک حتی تدور الدوائر (۱)

میری ہندی تلوار کو زنگ سے بچاؤ اور صیقل کرو تا کہ برک (ماہ ذوالحجہ) میں

لڑائیاں چھڑ جائیں

فرزوق نے قلعی یعنی مقام کلہ کی بنی ہوئی عمدہ تلواروں کا ذکر یوں کیا ہے:

متقلدی قلعیة وصوارم　　هندیة، و قدیمة الا ثار

آل مہلب کی کمر میں قلعی تلواریں اور تیز ہندوستانی قدیم تلواریں بندھی رہتی ہیں

ہندی تلوار پر عہد رسالت میں بھی بہت کچھ کہا گیا ہے اور اسلامی ادبیات میں اس کا ذکر بہت شان دار طریقے پر آیا ہے، اس کی مثالیں اپنے موقع پر آئیں گی۔

خطی اور سمہری، یعنی ہندی نیزے

عرب میں ہندی تلواروں کی طرح ہندی نیزے بھی بہت مشہور تھے، جو عموماً عمان سے لے کر بحرین تک کے علاقہ میں تیار کیے جاتے تھے، جسے خط کہتے تھے۔ اس کے لیے سندھ، گجرات اور بھڑوچ سے بانس اور بید آتے تھے، پھر ان کو یہاں نیزے کی شکل دی جاتی تھی۔ خطی اور سمہری نیزے خالص ہندوستانی لکڑی کے بنتے تھے۔ "لسان العرب" میں ہے: وقد کثر مجیها فی اشعارها (اشعار عرب میں اس کا ذکر بہت کثرت سے آیا ہے)۔ ابوزبید طائی (حرملہ بن منذر) نے کہا ہے:

مسنفات کانهن قنا الهند لطول الوجيف جدب المرود (۱)

چارہ ڈھونڈنے والے کے دیر کرنے کی وجہ سے اونٹنیاں اس طرح جکڑی
ہوئی تھیں جیسے ہندوستان کے بانس باندھے کھڑے ہوئے ہیں

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے:

وهل ينبت الخطى الا وشيجة ويغرس الا منابتها النخل (۲)

خطی نیزے سے نیزہ ہی اگتا ہے اور کھجور کے درخت نخلستان میں لگائے جاتے ہیں

حاتم طائی نے کہا ہے:

سأذ خر من مالي دلاصا وسابجاً وأسم خطيا وعضباً مهنداً (۳)

میں اپنے مال میں سے عمدہ زر ہیں، پکے رنگ کے خطی نیزے اور
تیز ہندی تلوار محفوظ رکھوں گا

ابو عطاء سندھی نے کہا ہے:

ذكرتک والخطی يخطر بيننا وقد نهلت منا المثقف السمر

میں نے تم کو ایسے نازک وقت میں بھی یاد کیا ہے جب کہ میدانِ جنگ میں خطی نیزے
جانبین سے گزر رہے تھے اور سرخ رنگ کے مضبوط نیزے ہمارے خون سے سیراب ہو
رہے ہیں

فضل بن عبدالصمد نے کہا ہے:

انعت قوسا ذی انقاء جاء بها جالب بروصاء

اس صاف ستھری کمان کی میں نے تعریف کی ہے جسے بھروچ سے منگانے والے نے منگایا ہے

نیز اسی نے کہا ہے:

من شفق خضر بروصيات صفر اللحاء والخلوقيات

زرد، سبز بھروچی بانس جن کے چھلکے بھی زرد ہیں

مشک

مشک ہندوستان کی مشہور خوشبو ہے، جو یہاں کے مختلف مقامات سے عرب میں

(۱) سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۹۴ (۲) لسان العرب ص ۱۹۰
(۳) دیوان حاتم ص ۸۳ طبع بیروت

جاتی تھی، عرب میں اس کی خاص منڈی بحرین کی بندرگاہ دارین تھی، اسی لیے مشک کا دوسرا نام داری پڑ گیا تھا۔

مشہور عربی شاعر امرء القیس نے اپنے معلقہ میں کہا ہے:

اذا قامتا تضوّع المسک منہما نسیم الصبا جاءت بریا القرنفل

(جب وہ دونوں کھڑی ہوتی ہیں تو ان سے مشک کی مہک اس طرح پھیلتی ہے جیسے نسیم صبح لونگ کی خوشبو لے کر آئی ہے۔)

نابغہ ذبیانی نے اپنے ممدوح نعمان بن منذر شاہ حیرہ کی تعریف میں یہ دعائیہ شعر کہا ہے:

وتسقی اذا ماشئت غیر مصرّد بزوراء فی حاناتہا المسک کافع

(جب تم ارادہ کرو تو پوری طرح سیراب کیے جاؤ، زوراء کے محل میں جس کے شراب خانوں میں)

نابغہ جعدی نے کہا ہے:

ألقیٰ فیہ فلحان من مسک دا رین من فلفل حرم

(اس نے دارین کے مشک اور تیز خوشبو کی مرچ کی ملاوٹ کی)

ایک اور شاعر نے کہا ہے:

مسائح نودی راسہ مسبغلۃ جری مسک دارین الاصم خلالہا

(اس کے اطراف سر میں دارین کے بہترین مشک کی بہتات ہے)

فرزوق نے کہا ہے:

کان تریکۃً من ماء مزنٍ وداری الذکی من المدام

(گویا صاف وشفاف پانی اور دارین کے بہترین مشک کی شراب کا چشمہ ہے)

کثیر نے کہا ہے:

افید علیہا المسک حتی کانہا لطیمۃ داری تفتق فارہا (۱)

---

(۱): لسان العرب، ج ۱۳، ص ۱۵۴۔

(اس پر مشک یوں لگایا گیا ہے جیسے وہ دارین کے مشک سے لدی ہوئی اونٹنی ہے جس کا نافہ اپنی خوشبو پھیلا رہا ہے)

اعشیٰ نے اپنی محبوبہ کے لعاب کی لذت بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

كان القرنفل والزنجبيل باتابفيها داريا مشورا (۱)

(شہد کی مٹھاس کے ساتھ گویا لونگ اور سونٹھ دونوں نے اس کے منہ کے اندر مشک داری میں رات بسر کی ہے)

جران العود نے کہا ہے:

لقد عاجلتني بالسباب ولوبها جديد ومن اردانها المسك تنفخ

(اس نے مجھے برا بھلا کہنے میں اس قدر جلدی کی کہ ابھی اس کے عروسی کے کپڑے نئے تھے اور اس کی آستینوں سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی)

روبہ نے کہا ہے:

ان تشف نفسي من دبابات لحسک احربها اطيب من ريح المسک (۲)

(اگر میری روح برچھیوں کی دھار سے شفا پائے تو پھر اس کے لیے مشک سے بھی اچھی خوشبو مناسب ہے)

فارۃ المسک یعنی نافہ مشک کا تذکرہ ایک شاعر نے یوں کیا ہے:

لها فارة ذفراء كل عشية كما فتق الكافور بالمسك فاتقه

(اس کے لیے ہر شام نافہ کی ایسی خوشبو ہے جیسے کسی نے کافور کو مشک کے ساتھ ملا کر خوشبو اڑائی ہے)

نابغہ بنی شیبان نے کہا ہے:

اذا ما جرىٰ الجادي فوق متونها ومسک ذكي جفنتها المجامر

(جب زعفران اور مشک اس پر بہ پڑتے ہیں تو انگیٹھیاں ان کو ٹھکانے لگاتی ہیں)

قدعبق العبير بها ومسک يخالطه من الهندي عود

---

(۱): لسان العرب، ج ۱۱، ص ۱۳۳۔ (۲): ایضاً، ج ۱۰، ص ۴۸۷۔

(اس کے جسم زعفرانی پر خوشبو اور عود ہندی میں ملا ہوا مشک لپٹا ہوا ہے)

کان علی انیابھا بعد ھجعۃ صبابۃ ماء الثلج بالعسل الفض

فلما عرتنا ینفخ المسک جیبھا اذا نفضت کادت تمیل من النھض

بیداری کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محبوبہ کے دانت پر برف کے پانی کے قطرے ہیں جو خالص شہد لیے ہوئے ہیں اور جب جب وہ ہمارے سامنے آتی ہے تو اس کے گریبان سے مشک جھڑتا ہے اور جب اٹھنا چاہتی ہے تو نزاکت کی وجہ سے اس میں لچک پڑ جاتی ہے۔

بشیر بن ابی خازم نے کہا ہے:

فقد اوفرن من قسط ورند ومن مسک اجم و من سلاح

(وہ کشتیاں قسط، خوشبو، مشک اور سامان جنگ بہت زیادہ لاتی ہیں)

اذا التاجر الھندی جاء بفارۃ من المسک ضحت فی سوالفھم تجری (۱)

جب ہندوستانی تاجر نافہ مشک لاتا ہے تو ان کی گردنوں میں گویا خوشبو کا دریا بہنے لگتا ہے۔

"فتوح البلدان" میں اذا التاجر الداری ہے (۲)

عود

عود (اگر) ہندوستان کی مشہور لکڑی، اور عربوں کی مرغوب ترین خوشبو ہے، اس کو عود ہندی، عود صنفی، عود قماری، عود مندلی، عود قلعی کے ناموں سے یاد کرتے ہیں، بلکہ کبھی صرف ہندی، قماری اور مندلی کی نسبت سے عود مراد لیتے ہیں، عدی بن رقاع نے لکھا ہے:

رب نار بت ارمقھا تقضم الھندی والغارا

ایسی آگ کو دیکھ کر میں نے رات بسر کی ہے جو عود ہندی اور غار کے درخت کو کھائے جا رہی تھی۔

نابغہ شیبانی نے کہا ہے:

قد عبق العبیر بھا ومسک یخالطہ من الھندی عرد

اس کے جسم پر زعفرانی خوشبو اور عود ہندی میں مخلوط مشک لپٹا ہوا ہے۔

---

(۱): الاصابہ، ج۱، ص۴۱۱، و ایضاً ج۳، ص۶۳۶۔ (۲): فتوح البلدان، ص۳۷۷۔

عمرو بن طناب جاہلی کہتا ہے:

اذا ما مشت نادیٰ بما فی ثیابها   ذکی الشذا والمندلی المطیر

جب محبوبہ چلتی ہے تو اس کے حسن کی منادی تیز خوشبو اور اڑنے والی مندلی عود کیا کرتی ہے۔

ابراہیم بن علی ابن ہرمہ نے کہا ہے:

کان الرکب اذا طرقتک باتوا   بمندل او بقارعتی قمارا

اہل قافلہ جب رات کو تیری طرف پہنچے تو تیری ایسی خوشبو محسوس ہوئی جیسے وہ مندل یا قمار میں ہیں۔

کافور

کافور عربی زبان میں کئی طرح سے استعمال ہوتا ہے، کافور، قفور اور قافور، یہ ہندی لفظ کپور کا معرب ہے۔ یوں تو کافور عرب کے ہر بڑے بازار میں فروخت ہوتا تھا، لیکن دارین جس طرح ہندی مشک کی بہت بڑی منڈی تھا، اسی طرح کافور کا بازار بھی تھا اور یہیں سے دوسرے علاقوں میں کافور جاتا تھا۔

نابغہ شیبانی نے کہا ہے:

کانّ رضاب المسک فوق لثاتها   وکافور داری وراحاً تصفق

اس کے مسوڑھوں کے اوپر گویا دارین کا کافور اور شراب دونوں مچل رہے ہیں

داری کی تشریح دیوان نابغہ کے حاشیہ میں یوں ہے:

الداری العطار منسوب الی دارین وهی فرضه بالبحرین یحمل الیها المسک من الهند (۱)

داری عطر فروش دارین کی طرف منسوب ہے جو بحرین کی بہت بڑی بندرگاہ ہے، وہاں پر ہندوستان سے مشک لایا جاتا ہے۔

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے:

---

(۱): دیوان نابغہ بنی شیبان، ص ۳۔

لھا فارۃ ذفراء کل عشیۃ کما فتق الکافور بالمسک فاتقہ

اس کے لیے ہر شام نافہ مشک کی خوشبو ہوتی ہے، جیسے کسی نے کافور اور مشک ملا کر خوشبو اڑائی ہو۔

نیز نابغہ شیبانی نے کہا ہے:

شیبت بکافور وماء قرنفل وبماء مرھبۃ یسح فدامھا

وہ کافور، لونگ کے پانی اور شیریں پانی میں ملائی گئی ہے اور ڈھکن کے اوپر سے بہہ رہی ہے۔

کأنّ مدامۃً ورضاب مسک وکافوراً ذکمالم یغش

وہ گویا شراب اور مشک محلول، اور نیز خوشبو کافور ہے جس میں ملاوٹ نہیں کی گئی ہے

زنجبیل

زنجبیل ہندی زنجابیر کا معرب ہے، جس کے معنی سونٹھ کے ہیں۔ تازہ زنجبیل کو ادرک کہتے ہیں۔ اسے عرب خشک اور تر دونوں طرح سے استعمال کرتے تھے، اور اس کی خوشبو ان کے یہاں بہت مرغوب و مشہور تھی۔ لسان العرب میں ہے:

والعرب تصف الزنجبیل بالطیب وھو مستطاب عندھم جداً

عرب سونٹھ کی خوشبو کی تعریف کرتے ہیں اور وہ ان کے یہاں بہت ہی مرغوب اور پسندیدہ ہے۔

اعشیٰ کا یہ قول گزر چکا ہے:

"کأن القرنفل والزنجبیل باتابفیھا داریا مشوراً"

اس کے لعاب دہن کی لطافت و نکہت کا حال یہ ہے کہ جیسے اس کے منہ کے اندر شہد کے ساتھ لونگ اور سونٹھ نے مشک داری میں رات گزاری ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے:

وزنجبیل عاتق مطیّب (۱)

سونٹھ ملی ہوئی پرانی خوش گوار شراب

---

(۱): لسان العرب، ج ۱۱، ص ۳۱۲۔

قرنفل

قرنفل (لونگ) کو عرب قرنفول بھی کہتے ہیں، یہ کرن پھول کا معرب ہے۔ عربی ادبیات میں اس کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ لسان العرب میں ہے:

و قد کثر فی کلامهم و اشعارهم اس کا تذکرہ کلام اور اشعار میں کثرت سے آیا ہے۔

چنانچہ ایک شاعر نے کہا:

وبابی ثغرک ذاک المعسول　　کأنّ فی أینابه القرنفول

میں تیرے اس شیریں دہن پر قربان جاؤں، جس کے دانتوں میں گویا لونگ ہے جس کی خوشبو پھیل رہی ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

وخودة اناة کالمهاة عطبول　　کأنّ فی انیابها القرنفول (۱)

وہ نیل گایوں کی طرح سیاہ آنکھوں والی نازنین جس کے دانتوں میں گویا لونگ خوشبو لیے ہوئے ہے۔

امراء القیس نے کہا ہے:

اذا قامتا تضوع المسک منهما　　نسیم الصبا جاء ت بریا القرنفل

جب وہ دونوں کھڑی ہوتی ہیں تو ان سے مشک کی خوشبو پھیلتی ہے گویا نسیم لونگ کی خوشبو لائی ہے۔

نابغہ شیبانی نے کہا ہے:

من الخخصرات خلت رضاب فیها　　سلافة قرقف شیبت بمسک

باحیا دوشیزاؤں کے لعاب دہن ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ لونگ کی شراب ہے جس میں مشک ملا ہوا ہے۔

فلفل

فلفل پیالا یا پپالا (مرچ) کا معرب ہے، عربی میں اس سے صیغے بھی بنائے گئے

(۱): لسان العرب، ج۴، ص۵۵۶۔

اور مفلفل اس چیز کو کہتے ہیں جس میں فلفل کی خوشبو ملائی گئی ہے۔ لسان العرب میں ہے:

وقد کثر مجیئہ فی کلامھم (۱)

اس کا تذکرہ کلامِ عرب میں کثرت سے آیا ہے۔

چنانچہ امراء القیس نے کہا ہے:

کانّ مکاکی الجواء غدیۃً صبحن سلافاً من رحیق مفلفل

مقام جواء کی مرغابیاں ایسی حواس باختہ تھیں گویا ان کو مرچ ملی ہوئی بہترین صباحی پلائی گئی ہے

ساج

ساج (ساگوان) ہندوستان کی بہترین عمارتی لکڑی ہے، جو قدیم زمانہ سے عرب میں استعمال ہوتی تھی، اور بڑی مقدار میں یہاں سے جاتی تھی، جس سے دروازے، کواڑ، ستون اور چھت وغیرہ بنانے میں کام لیا جاتا تھا۔ عام طور سے ہندوستان سے اس کی بلّیاں عرب جاتی تھیں، جن کو حسب ضرورت کاٹ لیا جاتا تھا، اس سالم بلّی کو عرب ساجہ کہتے تھے۔ یہ لکڑی عام طور سے کوکن کے علاقے سے بھیجی جاتی تھی۔

نابغہ شیبانی نے کہا ہے:

وقبۃ لا تکاد الطیر تبلغھا اعلیٰ محاریبھا بالساج مسقوف (۲)

اس قبہ کی بلندی کو پرندے بھی نہیں پہنچ سکتے، اس کی سب سے اونچی محراب پر ساگوان کی چھت بنی ہے۔

احادیث میں ساج کا ذکر آیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بنا ہوا سامان استعمال فرمایا ہے۔

قسط

قسط کا لفظ ہندی کُٹھ کا معرّب ہے۔ اسے کُست اور کُسط بھی کہتے ہیں۔ یہ ہندوستان کی مشہور دوا ہے جو عرب میں بہت مشہور تھی، اور مختلف بیماریوں میں استعمال کی جاتی تھی۔ بشر بن ابی خازم اسدی نے تجارتی کشتی کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:

(۱): لسان العرب، ج ۴، ص ۵۵۶۔ (۲) دیوان نابغہ بنی شیبان، ص ۵۳۔

فقد اوقرن من قسط ورند ومن مسک احمّ ومن سلاح (۱)

یہ کشتیاں بھاری مقدار میں قسط، عود، مشک اور اسلحہ سے لادی گئیں۔

احادیث میں قسط ہندی کے بڑے فضائل وفوائد آئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے استعمال کی تاکید فرمائی ہے۔

داذی

داذی ہندی لفظ تاڑی کا معرّب ہے۔ اگرچہ تاڑی عرب میں بھی ہوتی تھی، لیکن ابن خرداذبہ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند سے بھی تاڑی عرب میں جاتی تھی، ایک شاعر نے اس کا ذکر یوں کیا ہے:

شربنا من الداذی کأننا ملوک لنا بر العراقین والبحر

ہم نے یوں تاڑی پی کہ نشہ میں یوں بادشاہ بن گئے کہ عراق عرب اور عراق عجم اور سمندر ہمارے قلم رو میں آ گئے۔

اسود بن کریمہ نے کہا ہے:

قد حسا الداذی صرفاً اس نے خالص تاڑی خوب سیر ہو کر پی۔

سندھی مرغی

دجاج سندھی یعنی سندھی مرغی اور دیک سندی یعنی سندھی مرغا، ان دونوں کا استعمال بھی عرب میں عام تھا، اور عرب ان سے اچھی طرح واقف تھے۔ سندھی مرغی کا تذکرہ ابن خرداذبہ نے ''المسالک والمما لک'' میں، ابن فقیہ ہمدانی نے ''مسا لک المما لک''، اور جاحظ نے ''کتاب الحیوان'' میں کیا ہے۔ بلکہ جاحظ نے دجاج سندھی کو ان جانوروں میں شمار کیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کی خصوصیات میں سے بنایا ہے۔ نیز اس نے لکھا ہے کہ دجاج خلاسی اس مرغی کو کہتے ہیں جو نبطی اور سندھی مرغیوں کی مخلوط نسل سے ہو، اور اگر مرغی خالص سفید رنگ کی اور ہندوستانی ہو تو اسے بیسری کہتے ہیں۔ (۲)

صاحب مجمع البحرین نے لکھا ہے:

(۱): دیوان بشر بن ابی خازم اسدی، طبع دمشق، ص ۴۸۔ (۲): کتاب الحیوان، ص ۱۱۵

وفی الحدیث دجاج سندی (۱) حدیث میں سندھی مرغی کا ذکر ہے۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں سندھی مرغی عام طور سے متعارف و مستعمل تھی۔

سندھی کپڑے

عرب میں سندھ کے بنے ہوئے خاص قسم کے کپڑوں کو مسندہ اور مسندیہ کہتے تھے، اور ان کا استعمال بھی عام تھا۔ عام طور سے ان کی چادریں بنتی تھیں اور چونکہ یہ کپڑا ہندوستان سے پہلے یمن جاتا تھا اس لیے ان کو بُرد یمانی بھی کہتے تھے۔

لسان العرب میں ہے:

والمسنّدة والمسنّدية ضرب من الثياب، وفي حديث عائشة رضي الله عنها اندرائي عليها اربعة اثواب سند قيل هو نوع البرود ايمانية (۲)

مسندہ اور مسندیہ کپڑے کی ایک قسم کا نام ہے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے آپ کے جسم پر سندھ کے چار کپڑے دیکھے، بعضوں نے کہا ہے کہ یہ یمنی چادروں کی ایک قسم ہے۔

لنگی اور چادر

نیز "لسان العرب" میں ہے کہ تہبند اور لنگی کے کپڑے بھی سندھ ہی سے عرب میں جاتے تھے:

الفوطة ثوب قصير غليظ يكون مئزراً يجلب من السند

فوطہ گف چھوٹا سا کپڑا ہے جو چادر اور تہبند ہوتا ہے، سندھ سے لایا جاتا ہے۔

اور بعد میں اس کا رواج بار برداروں، محنت مزدوری کرنے والوں اور نوکروں میں عام ہو گیا تھا۔
مشہور امام لغت ابو منصور کا بیان ہے:

---

(۱): مجمع البحرین، مادہ سند۔ (۲): لسان العرب، ج ۳، ص ۲۲۳۔

ورأيت بالكوفة ازراً مخططة يشتريها الجمالون والخدم فيتزرون بها (۱)	میں نے کوفہ میں دیکھا ہے کہ اونٹ والے اور نوکر چاکر دھاری دار چادریں خریدتے ہیں اور ان کو تہبند اور لنگی کے طور پر استعمال کرتے ہیں

ہمارے زمانہ میں عام طور سے اسی قسم کا دھاری دار اور رنگین تہبند استعمال ہوتا ہے۔ یہی عربی لفظ فوطہ اور فوط ہے جو ہندوستان میں پوت کہا جاتا ہے جس سے مراد آج کل عام طور پر چار گز کا ریشمی تھان ہوتا ہے۔

کرتہ

کرتہ خالص ہندوستانی لباس ہے جو قدیم زمانہ سے ایران اور عرب میں رائج تھا۔ عرب اسے معرّب کرکے قرطق کہتے تھے۔ "لسان العرب" میں ہے:

(قرطق) اى قباء وهو تعريب كُرته، وقد تضم طاءه، وابدال القلف من الها في الاسما المعربة كثير كا لبرق، والباسق والمستق (۲)	قرطق قباء ہے اور یہ کرتہ کا معرب ہے اور قرطق کی طاء کو ضمہ بھی دیتے ہیں اور اسماء معربہ میں ہاء کو طاء سے بدلنا بہت زیادہ ہے، جیسے بُرہ سے برق اور باسہ سے باسق اور مستہ سے مستق۔

شاہان ایران کے دربار میں جب ملوک عرب جاتے تو شاہی دربار کی سجاوٹ میں کرتے کا استعمال خاص طور سے ہوتا تھا اور اس کا شمار شاہی لباس میں ہوتا تھا۔ قاضی رشید بن زبیر نے "الذخائر والتحف" میں اس موقع پر لکھا ہے:

والبسهم الديباج الملون من الثياب والقراطق وفي اوساطهم مناطق الذهب الاحمر مرصعة بانواع الجوهر، وعن شماله اولاد المزاربة عليهم القراطق (۳)	بادشاہ شہزادوں کو کپڑوں اور کرتوں میں سے رنگین دیا پہناتا تھا اور ان کی کمر میں سونے کے پٹکے ہوتے تھے، جو قسم قسم کے جواہر سے مرصع ہوتے تھے اور بادشاہ کے بائیں جانب مزربانوں (صوبوں کے حاکموں) کے لڑکے کرتے پہن کر کھڑے رہتے تھے۔

(۱): لسان العرب، ج ۷، ص ۳۷۳۔ (۲): ایضاً، ج ۱۰، ص ۲۲۳۔
(۳): کتاب الذخائر والتحف، ص ۱۲۸، طبع کویت۔

سلیمان تاجر بحر ہرکند (بحرِ ہند) کے جزائر کے باشندوں کی صنعت و حرفت میں مہارت بیان کرتا ہوا کہتا ہے:

حتی انھم یعملون القمیص مفروغا منہ نسجا بالکمین والدخر خریصین والجیب

ان کی صنعت گری کا یہ حال ہے کہ وہ ایسا کرتہ بناتے ہیں جس میں دونوں آستین، کلیاں اور جیب بُنی ہوتی ہیں اور ان کو سلنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

عہدِ رسالت میں کرتے کا استعمال تھا اور بعض روایات میں اس کا ذکر ہے، بلکہ بعد تک یہ کپڑا بادشاہوں اور حاکموں کا لباس تھا۔ اصطخری نے منصورہ کے مسلمان حکمرانوں کا لباس کرتہ ہی بتایا ہے:

وزیھم زیُّ اھل العراق، الا ان زیّ ملوکھم یقارب زیّ ملوک الھند من الشعور والقراطق (۱)

اہل منصورۃ کا لباس اہل عراق کی طرح ہے، البتہ یہاں مسلمان حاکموں کا لباس ہندوستان کے راجوں، مہاراجوں کی طرح ہے اور وہ بھی بال رکھتے ہیں اور کرتے پہنتے ہیں۔

اسی طرح یہی جغرافیہ نویس دوسری جگہ ملتان اور منصورہ کے عام باشندوں کا لباس کرتہ ہی بتاتا ہے۔

ولباس القراطق فیھم ظاھر، الا التجار فان لباسھم القمیص والاردیۃ وسائر اھل فارس والعراق (۲)

کرتے کا ان میں عام چلن ہے، البتہ تاجروں کا لباس قمیص اور چادر ہے اور فارس و عراق والوں کا لباس بھی قمیص اور چادر ہے

یہ چند ہندوستانی اشیاء کی فہرست ہے جن کا استعمال عرب میں عام تھا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی ہندوستانی چیزیں عرب میں مستعمل تھیں۔ اشعار عرب اور کتب لغت کی مراجعت کے بعد ان کا نشان مل سکتا ہے۔

=====

(۱): مسالک الممالک، ص۱۷۳۔　(۲): ایضاً، ص۱۷۷۔

عرب میں آباد ہندوستانی قومیں

سندھ اور ہند عربوں کے نزدیک قدیم زمانہ سے دو الگ الگ ملک مانے جاتے ہیں، اور وہ تغلیب کے طور پر دونوں ملکوں کے باشندوں کو ہندی بھی کہہ دیا کرتے ہیں، ورنہ عام طور سے سندھ کے باشندوں کو سندی اور ہندوستان کے لوگوں کو ہندی کہتے ہیں۔

سندھ اور سندھی

جس طرح سندھ ایک ملک کا نام ہے، اسی طرح وہاں کی قوم کو بھی سند کہتے ہیں۔ ''لسان العرب'' میں ہے:

والسند جيل معروف والجمع أسناد و سنود، وسند بلاد، تقول سندي للواحد، وسند للجماعة مثل زنجي و زنج

(لسان العرب، ج۳، ص۲۲۳۔ طبع جدید بیروت)

سند ایک مشہور گروہ ہے، اس کی جمع اسناد اور سنود آتی ہے اور سندھ چند شہروں کے مجموعہ کا نام ہے، تم یہاں کے ایک آدمی کو سندی کہو گے تو جمع کے لیے سند استعمال کرو گے، جیسے زنجی اور زنج ہے۔

مسندہ، مسندیہ، سَنَد اور سند کے نام سے سندھ میں ایک قسم کے کپڑے بنتے تھے، جو عرب میں استعمال کیے جاتے تھے۔ رجل سندی کی طرح ثوب سندی اور دجاج سندی (سندھی مرغی) بھی اس ملک کی نسبت سے مشہور تھی۔ یہاں کے باشندے قدیم عرب میں بہت زیادہ آباد تھے۔ خاص طور سے یمن کے علاقہ میں ان کی کثرت و شوکت مسلم تھی۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام طفولیت میں جب شاہ حبشہ، ابرہہ کے بیٹے مسروق بن ابرہہ نے یمن پر حملہ کرکے سیف بن ذی یزن کو بے دخل کر دیا اور اس نے کسریٰ انوشیرواں کے یہاں جا کر اس کا تذکرہ کیا تو اس نے دریافت کیا:

ای الاعزبة الحبشة أم السند (۱) — کن غیر ملکیوں نے یمن پر قبضہ کیا ہے؟ حبشیوں نے یا سندھیوں نے۔

کسریٰ کے اس سوال سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت یمن میں سندھیوں کی آبادی کس قدر زیادہ تھی اور ان کو کیسی شان وشوکت حاصل تھی۔

ہند اور ہندی

ہند جس طرح سندھ کے مقابلہ میں ایک ملک کا نام ہے، اسی طرح اس ملک کے باشندوں کو عرب ہند کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جمع کے لیے ہنود اور واحد کے لیے یائے نسبتی لگا کر ہندی بولتے ہیں۔ کبھی کبھی یائے نسبت سے پہلے کاف کا اضافہ کرکے 'ہندکی' بھی بولتے ہیں، جس کی جمع 'ہنادک' آتی ہے۔ کبھی ہندی سے عود ہندی بھی مراد لیتے ہیں۔ سیف مہند، سیف ہندی، سیف ہُندوانی، سیف ہندوانی اور ہندی ہندوستان کی بنی ہوئی تلوار کو کہتے ہیں۔ ''لسان العرب'' میں ہے:

قال الازهری والأصل فی التهنید عمل الهند، یقال سیف مهند، وهندی، وهندوانی اذاعمل، ببلاد الهند واحکم عمله والمهند السیف المطبوع من حدید الهند، وهند اسم بلاد، والنسبة هندی، والجمع هنود، کقولک زنجی وزنوج وسیف هندوانی بکسر الهاء وان شئت ضمتها اتباعاً للدال، ابن سیدة والهند

ازہری کا قول ہے کہ دراصل تہنید کے معنی ہندوستان میں یا ہندوستانیوں کا تلوار بنانا ہیں، سیف مہند، ہندی، ہندوانی اس تلوار کو کہتے ہیں جو ہندوستان میں بنائی گئی ہو، اور اس کی بناوٹ نہایت عمدہ ہو، اور مہند وہ تلوار جو ہندوستان کے لوہے سے بنائی گئی ہو، اور ہند شہروں کے مجموعہ کا نام ہے، اس کی طرف نسبت ہندی ہے اور اس کی جمع ہنود آتی ہے اور سیف ہُندوانی اور ہندوانی بھی کہتے ہیں، اور ہند ایک

جیل معروف ... ویقال رجل هندی و هندکی، قال و لوقیل ان الکاف اصل، وان هندی وهندکی اصلان بمنزلة سبط و سبطر لکان قولا قویا والسیف الهندوانی، والمهنّد منسوب الیهم (۱)

مشہور گروہ کا نام بھی ہے۔ یہاں کے باشندے کو ہندی اور ہندکی کہتے ہیں۔ اگر ہندکی کے کاف کو اصل مان کر سبط اور سبطر کی طرح اسے بھی مان لیا جائے تو یہ قول قوی ہے اور سیف ہندوانی اور مہنّد اس تلوار کو کہتے ہیں جو ہندوستانیوں کی طرف منسوب ہے۔

ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک قصیدہ کہا ہے، جس میں ایک شعر یہ بھی ہے:

بنی امۃ محبوبۃ هندکیۃ　　بنی جمع عبید قیس بن عاقل (۲)

کثیر شاعر نے کہا ہے:

ومقربۃ دهم و کمت کانها　　طماطم یوفون الوفور هنادکا (۳)

محمد بن حبیب نے کہا ہے کہ کثیر نے ہنادک سے رجالِ ہند مراد لیا ہے۔ ابن ہرمہ نے کہا ہے:

کاعناق نساء الهند　　وقد شیبت باوضاح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے چند ماہ پیشتر ہندوستان کے آدمیوں کا تذکرہ ایک موقع پر فرمایا تھا، جب کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت نجران سے قبیلہ بنی حارث ابن کعب کا وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

من هولاء القوم؟ کانهم رجال الهند (۴)

یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے آدمیوں کی طرح ہیں؟

ہند اور سندھ کی سات قومیں

الغرض عرب میں ہندیوں اور سندھیوں کی مختلف جماعتیں عہد رسالت میں موجود

(۱) لسان العرب ج ۳ ص ۴۳۸، (۲) سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۷۹ طبع جدید مصر، (۳) لسان العرب ج ۳ ص ۴۳۸۔ (۴): سیرۃ ابن ہشام ج ۲، ص ۵۹۲ وطبری ج ۳، ص ۱۵۷۔

تھیں۔ چنانچہ زُط (جاٹ) مید، سیابجہ، اسورہ، احامرہ، بیاسرہ اور تکاکرہ یہیں کے رہنے والے تھے، جو ملک عرب میں مختلف کاموں اور پیشوں کی وجہ سے مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے تھے۔ ان کا مختصر تعارف یہ ہے:

(۱) زُط (جاٹ): ہندوستان کی مشہور سیاہ رنگ کی جنگجو قوم ہے جو سندھ کے علاوہ منصورہ کے اطراف سے لے کر مکران تک پھیلی ہوئی تھی۔ بلوچستان میں اور ہندوستان کے علاقہ پنجاب میں اس کی آبادی تھی۔ یہ لوگ ان ہی مقامات سے عرب جاتے تھے۔

(۲) مید: ہندوستان کی ساحلی قوم ہے جو جہازوں اور کشتیوں کو سمندر میں لوٹ لیا کرتی تھی۔ اس قوم کی بستیاں دریائے سندھ سے لے کر ہندوستان کے سرحدی علاقہ اوتکین تک پھیلی ہوئی تھیں اور دریائے سندھ کے ساحلی مقامات سے لے کر ملتان تک ان کی آبادیاں تھیں۔ بلکہ گجرات اور کوکن کے سواحل میں بھی یہ سمندری لٹیرے بکثرت آباد تھے، جن سے یہاں کے راجے مہاراجے تک عاجز تھے۔ بعد میں مسلمانوں نے ان کو زیر کیا۔ یہ لوگ شاہانِ ایران کی فوج میں بھرتی ہو کر عرب جاتے تھے اور ساحلی مقامات میں رہا کرتے تھے۔

(۳) سیابجہ: ہندوستان کی مشہور قوم سیابجہ کا وطنی تعلق بھی سندھ اور ہندوستان کے سواحل ہی سے تھا، خصوصاً سندھ کا علاقہ ان کا مرکز تھا۔

(۴) احامرہ: بھی یہاں کے ساحلی علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ خصوصاً سندھ سے۔ یہ لوگ یہاں سے عرب جا کر اُجرت پر تجارتی جہازوں کی حفاظت و نگرانی کیا کرتے تھے اور بحری ڈاکوؤں سے جنگ کرتے تھے۔

(۵) اساورہ: شاہان ایران کی فوج میں "سواروں" کے ممتاز عہدے دار تھے، جو عرب میں رہتے تھے۔ ان میں ہندوستانی بھی ہوا کرتے تھے۔ ان کا وطن سندھ کے سواحل سے لے کر سرندیپ تک پھیلا ہوا تھا۔

(۶) بیاسرہ: بھی ہندوستانی تھے اور عرب جا کر جہازوں کی نگرانی کی ملازمت کرتے تھے۔ یہ لوگ بھی سندھ سے لے کر بمبئی کے حدود صیمور (چیمور) تک کے رہنے والے تھے۔

(۷) تکاکرہ (ٹھاکر): سندھ اور پنجاب کے جنگجو بہادر تھے جنہوں نے ہندوستان پر محمد بن قاسمؒ کے حملہ کے وقت راجا داہر وغیرہ کی مدد میں بڑی بہادری دکھائی تھی۔

یہ چند مشہور قومیں ہیں جو ہندوستان کے مختلف مقامات سے عرب میں جاتی تھیں، ان میں سے بعض وہاں آباد ہو گئی تھیں۔ان کے علاوہ بھی ہندوستان کے دوسرے مقامات کے لوگ عرب میں پائے جاتے تھے۔

اب ہم تفصیل کے ساتھ ان ہندوستانی قوموں اور جماعتوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو عہدِ رسالت میں عرب میں پائی جاتی تھیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت انہوں نے دعوت اسلام قبول کی یا انکار کر کے جزیہ دینا قبول کیا، اور یا عربوں اور ایرانیوں کے ساتھ مل کر جنگ کی۔

زُطّ یعنی جاٹ

جاٹ جن کو عربی زبان میں زُط کہتے ہیں، یہ سیاہ رنگ کے خالص ہندوستانی قوم سے تھے، جو قدیم زمانہ سے عرب میں بڑی تعداد میں آباد تھے۔یہ قوم سندھ اور پنجاب میں پائی جاتی ہے۔بلکہ بعض مورخوں نے بلوچستان کے باشندوں کو بھی جاٹ بتایا ہے۔"لسان العرب" میں ہے:

الزط جيل اسود من السند وقيل الزط اعراب جت بالهندية وهو جيل من اهل الهند وهم جنس من السودان والهنود والواحد زطي مثل الزنج والزنجي والروم والرومي (۱)	زط سندھ کے سیاہ رنگ کے لوگ ہیں۔ایک قول ہے زط ہندی لفظ جٹ کا معرب ہے اور وہ ہندوستانیوں میں سے ہیں۔بہرحال جاٹ سیاہ رنگ کے اور ہندوستانیوں کی جنس سے ہیں۔اس لفظ کا واحد زطی ہے جیسے زنج اور زنجی اور روم اور رومی۔

علامہ محمد طاہر "مجمع بحار الانوار" میں لکھتے ہیں:

وهم جنس من السودان (السنود) والهنود (۲)	یہ لوگ کالے رنگ کے سندھیوں اور ہندیوں کی جنس سے ہیں۔

(۱): لسان العرب، ج۷، ص۳۰۸، مادہ زُط۔
(۲): مجمع البحار، ج۲، ص۶۲، مطبع نول کشور

طریح نجفی نے ''مجمع البحرین'' میں تقریباً یہی عبارت لکھی ہے اور آخر میں یہ بھی لکھا ہے:

الزط بالضم من الهند معرب جهت بالفتح، الواحد زطي (۱)	زط ہندوستانی ہیں، یہ لفظ جھت کا معرّب ہے اور واحد زطی ہوتا ہے۔

ان تصریحات میں جاٹوں کو سندھی اور ہندوستانی سے بتایا گیا ہے، مگر ابوالفدا نے ''تقویم البلدان'' میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بلوچیوں کو بھی جاٹ کہتے ہیں، جن کی زبان ہندوستان کی زبان سے ملتی جلتی ہے۔

واما البلوص المذكورون فيقال لهم في زماننا الجت وهم طائفة تقرب لغتهم من الهندية (۲)	ان بلوچیوں کو ہمارے زمانہ میں جت کہا جاتا ہے۔ یہ ایک گروہ ہے جس کی زبان ہندی زبان سے قریب ہے۔

قدیم ترین ماہر انساب اور یمن کی تاریخ کے عالم ابو محمد عبدالملک ابن ہشام نے ''کتاب التیجان'' میں جاٹوں کو وسطی ایشیا کی قوموں میں بتایا ہے اور یمن کی قوم تبع اور تبابعہ کے حالات میں جاٹوں کو بنو یافث میں شمار کیا ہے۔ مثلاً تبع شمر یرعش بن ناشر النعم کے ذکر میں ہے:

وان الصغد والكرد والخزر والزط والقوط كلهم بنو يافث ابن نوح النبي عليه السلام (۳)	صغد، کرد، خزر، زط، قوط، یہ سب یافث بن حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

دوسری جگہ اسی تذکرہ میں ہے کہ:

واقبل بنو يافث باجمعهم يتاصرون قباد، وهم الترك، والديلم و الخور، الغور، والتبت، ولصغد، والزط، والخوز (۴)	اور تمام بنو یافث قباد کی مدد کے لیے تیار ہو گئے، یہ ترک، دیلم، خزر، غور، تبت، صغد، زط اور خوز ہیں۔

(۱): مجمع البحرین، مادہ زط طبع ایران (۲): تقویم البلدان، ص ۳۳۵، طبع پیرس۔
(۳): کتاب التیجان، ص ۲۲۲، طبع حیدر آباد۔ (۴): ایضاً، ص ۲۲۳۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ تبع شمر یرعش کے مقابلہ میں شاہ ایران قباد کے مددگاروں کی فہرست ہے جس میں صغد، کرد، خزر، ترک، دیلم، غور اور تبت وغیرہ کی طرح جاٹ بھی شامل تھے۔ جو قدیم زمانے میں ہندوستان سے جا کر ایران کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے تھے اور اکاسرہ ایران کی فوج میں ایرانیوں کی طرح رہتے تھے، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ وسط ایشیا جاٹوں کا آبائی وطن نہیں ہے بلکہ وہ ہندوستانی نسل سے تھے اور وہاں جا کر آباد ہو گئے تھے، یا پھر جاٹ کے لقب سے ان اطراف کی کوئی قوم رہی ہوگی۔

ہندوستان میں جاٹوں کا علاقہ

مؤرخوں نے جن جاٹوں کا عرب میں قدیم زمانہ پایا جانا بیان کیا ہے، وہ مکران، بلوچستان، ملتان، دیبل وغیرہ سندھ اور اس کے اطراف کے رہنے والے تھے، قدیم عرب جغرافیہ نویس ابن خردازبہ نے مکران اور منصورہ (سندھ) کے درمیان کئی سو میل تک جاٹوں کا علاقہ بتایا ہے، چنانچہ فہرج (ایران) سے سندھ کی طرف آنے والی شاہراہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

من اول مکران الی المنصورة ثلث مائة و ثمانية وخمسون فرسخاً و الطريق فی بلاد الزط وهم حفاظ الطريق (۱)	مکران کے ابتدائی سرے سے لے کر منصورہ تک تین سو اٹھاون فرسخ کا فاصلہ ہے اور پورا راستہ زط کی آبادیوں سے ہو کر گزرتا ہے۔ یہ لوگ اس راستہ کے محافظ ہیں۔

اصطخری نے سندھ (منصورہ) سے ملتان تک کے پورے درمیانی علاقہ کو جاٹوں کا علاقہ لکھا ہے اور اس میں ان کی آبادیاں بتائی ہیں۔

وبلد السند هو المنصورة واراضی الزط، وما والاها الی الملتان (۲)	سندھ کا ملک منصورہ اور زط کی بستیوں اور اطراف و جوانب سمیت ملتان تک پھیلا ہوا ہے۔

ابوالفداء کی تصریح اوپر گزر چکی ہے کہ بلوچستان کے باشندے جاٹ کے نام

(۱): المسالک والممالک، ص ۵۶، طبع یورپ۔ (۲): المسالک الممالک، ص ۳۵۔

سے یاد کیے جاتے ہیں اوران کی زبان ہندوستان کی زبان سے قریب ہے۔ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں عرب میں جو جاٹ آباد ہو گئے تھے وہ حدود سندھ کے رہنے والے تھے اور مکران سے پنجاب تک ان کی آبادیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

ایران میں جاٹوں کا علاقہ

ہندوستان کے جاٹ عرب میں مختلف طریقوں سے پہنچے تھے۔ان میں کچھ تو ابلہ (بصرہ) سے عمان اور بحرین تک کے ساحلی علاقے میں آباد ہوکر مویشی، بھیڑ، بکری، اونٹ وغیرہ پالتے تھے اور کچھ مستقل طور پر ساحلی شہروں اور دیہاتوں میں آباد ہو گئے تھے اور ان کی اکثریت شاہان ایران کی فوج اور سپاہ بن کر ایران اور عرب میں رہتی تھی، اس کا مرکز عراق میں ابلہ اور جنوب میں یمن تھا۔ چنانچہ ایران میں قدیم زمانہ سے جاٹوں کے بڑے بڑے شہر اور بارونق بستیاں تھیں، جو فارس سے عراق تک پھیلی ہوئی تھیں، سوق اہواز سے فارس کی طرف جانے والی شاہراہ پر تقریباً ساٹھ میل کے بعد جاٹوں کا بہت بڑا شہر تھا جسے ان کے نام ہی پر زط کہا جاتا تھا۔ابن خرداذبہ کا بیان ہے:

من الاھواز الی ازم ستة فراسخ
ومنھا عبدین خمسة فراسخ،
ثم الی رام ھرمز ستة فراسخ
ثم الی الزط ستة فراسخ (۱)

اہواز سے ازم تک چھ فرسخ کی مسافت ہے اور ازم سے عبدین پانچ فرسخ پر ہے، پھر رام ہرمز تک چھ فرسخ ہے پھر وہاں سے زط چھ فرسخ پر ہے۔

خوزستان کے علاقہ میں جاٹوں کا عظیم الشان اور بارونق شہر تھا، جو دو علاقوں میں تقسیم تھا اور دو ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔ ایک کو حومۃ الزط یعنی جاٹوں کا علاقہ و خطہ اور دوسرے کو خابران کہتے تھے۔ دونوں علاقے بہت وسیع و عریض تھے اور دو ندیوں کے کناروں پر آباد تھے۔ اصطخری نے اقلیم خوزستان کے بڑے بڑے شہروں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

و حومة الزط والخابران و ھما واحد، والزط والخابران ھما

حومۃ الزط اور خابران دونوں ایک ہی علاقہ کے نام ہیں، زط اور خابران دونوں

(۱): المسالک والممالک ص ۴۳۔

کورتان مامرتان علٰی نھرین جاریین (۱)	دو بہتے ہوئے دریا کے کنارے پر آباد ہیں۔

کابل میں بھی جاٹوں کی آبادی تھی۔ ان ہی میں بعد میں امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت زوطی (زطی) بن ماہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ غالباً زوطی کا اسلامی نام نعمان تھا اور ماہ شاہ ایران کے مرزبان یعنی نائب حاکم تھے۔ اسی لیے بعض روایات میں زوطی بن ماہ کے بجائے نعمان بن مرزبان آیا ہے (۲)

عرب میں جاٹوں کا علاقہ

ہندوستان کے جاٹوں کے ایرانیوں کے توسط سے عرب میں جانے اور وہاں آباد ہونے کی تاریخ بلاذری نے فتوح البلدان میں "امر الاساورۃ والزّط" کے ماتحت یوں لکھی ہے:

واما السیابجۃ والزط ولاندغار فانھم کانوا فی جند الفرس ممن سبوہ وفرضوا لہ من اھل السند ومن کان سبیا من اولی الغزاۃ فلما سمعوا بما کان من امر الاساورۃ اسلموا واتوا ابا موسیٰ فانزلھم البصرۃ کما انزل الاساورۃ (۳)	سیابجہ، زط اور اندغار ایرانیوں کی فوج میں ان کے قیدیوں میں سے تھے، اس فوج کو ایرانیوں نے سندھیوں میں شمار کر کے ان ہی کے درجہ میں رکھا تھا، نیز اسے بھی لڑنے والے قیدیوں کی حیثیت دی تھی، جب ان فوجیوں نے اساورہ کے مسلمان ہونے کا واقعہ سنا تو یہ بھی مسلمان ہو کر حضرت ابوموسیٰ کے پاس آگئے اور آپ نے ان کو بھی اساورہ کی طرح بصرہ میں آباد کیا۔

اس سے پہلے ایران کے فوجی "اساورہ" کے اسلام لانے کے سلسلے میں شیرویہ اسواری کے مسلمان ہو کر بصرہ میں آباد ہونے کے بیان میں لکھا ہے:

فانضم الی الاساورۃ السیابجۃ و اکانو	شیرویہ اسواری اپنی جمعیت سمیت اساورہ

(۱): مسالک الممالک، ص ۹۴۔ (۲): تاریخ ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۹۴، طبع ایران قدیم۔
(۳): فتوح البلدان، ص ۳۶۸۔

قبل الاسلام بالسواحل وکذلک الزط وکانو ابا الطفوف تیتبعون الکلا (۱)

سیابجہ میں آ کر مل گیا۔ یہ سیابجہ اساورہ اسلام سے پہلے خلیج عربی کے سواحل میں رہا کرتے تھے۔ یہی حال جاٹوں کا بھی تھا۔ یہ لوگ سواحل میں چارے کی تلاش میں گھومتے رہتے تھے۔

اسی باب میں علامہ بلاذری ایک جگہ لکھتے ہیں:

وقد کان معاویة نقل من الزط والسیابجة القدماء الی سواحل الشام و انطاکیة بشراً (۲)

حضرت معاویہؓ نے قدیم زمانہ سے آباد جاٹوں اور سیابجہ کی ایک جماعت کو شام اور انطاکیہ کے سواحل پر منتقل کر کے آباد کیا۔

ان تمام تصریحات کا حاصل یہ ہے کہ جاٹ قدیم زمانہ سے ایرانیوں کی فوج میں رہتے تھے۔ ان سندھی سپاہیوں کو عام ایرانی سپاہیوں سے الگ قرار دے کر ان کی تنخواہوں کا معیار ایرانیوں سے جداگانہ تھا اور ان کی حیثیت بیگار کی سی تھی۔ اسلام سے قبل یہ ہندوستانی جاٹ خلیج عرب (خلیج فارس) کے سرسبز وشاداب سواحل ابلہ سے لے کر بحرین اور عمان تک پھیلے ہوئے تھے اور ابلہ جس کے قریب بصرہ آباد ہوا، ان کا بہت بڑا مرکز تھا۔ بعد میں جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو سواحل شام وانطاکیہ میں بھی ان کی بہت بڑی تعداد آباد کی گئی۔

ابلہ کے بعد جاٹوں کا دوسرا مرکزی مقام بحرین تھا، جہاں وہ عہد رسالت سے پہلے بڑی تعداد میں آباد تھے۔ چنانچہ ۱۱ھ میں جب بحرین اور اس کے اطراف میں ارتداد کا فتنہ برپا ہوا تو جاٹ بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے اور حطم بن ضبیعہ نے قطیف، ہجر اور حظ میں آباد جاٹوں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور اپنے ساتھ ملایا۔

حتی نزل القطیف وھجر واستغوی الحظ ومن فیھا من الزط والسیابجة (۳)

حطم بن ضبیعہ قطیف اور ہجر پہنچا اور حظ کی پوری آبادی کو اور وہاں جس قدر جاٹ اور سیابجہ تھے، سب کو گمراہ کر کے اپنی فوج میں شامل کر لیا

(۱): فتوح البلدان ص ۳۶۷۔ (۲): ایضاً ص ۳۶۹۔ (۳): تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۵۶۔

پھر جب اسلامی فوجوں کے مقابلہ میں ان کو ہزیمت ہوئی تو ایک بہت بڑی جماعت دارین کی طرف بھاگی اور باقی شکست خوردہ کفار اپنے ملکوں اور قبیلوں میں چلے گئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے جاٹ بھی شکست کھانے کے بعد ہندوستان کی طرف بھاگے ہوں گے۔

مکہ مکرمہ میں بھی جاٹ موجود تھے اور وہاں کے لوگ ان سے اچھی طرح واقف تھے۔ جامع ترمذی کے ابواب الامثال کی ایک طویل حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بطحائے مکہ میں جنوں کو دیکھا جن کی شکل وشباہت ان کے بیان کے مطابق جاٹوں کی تھی۔

فبینا انا جالس فی خطی اذا اتانی رجال کانھم الزط اشعارھم واجسامھم لا اری عورۃ ولا اری قشرا (۱)

میں اپنے اردگرد کھینچے ہوئے دائرہ میں بیٹھا تھا کہ کچھ لوگ میرے قریب آئے، وہ لوگ اپنے بال اور جسم میں جاٹوں کے مشابہ تھے، میں نہ ان کا ستر دیکھ سکا اور نہ ان کا چمڑا مجھے نظر آیا۔

مدینہ منورہ میں قدیم زمانہ سے کچھ جاٹ موجود تھے، جن میں سے ایک مسلمان جاٹ طبیب اور معالج تھا جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بتایا تھا کہ ان پر ان کی باندی نے سحر کر دیا ہے۔ (۲)

جاٹوں کے اثرات عربی زندگی میں

غرض مشرقی سواحل میں پھیل جانے کے ساتھ ساتھ عرب کے بڑے بڑے مقامات میں بھی وہ آباد تھے اور ان کی خاص خاص چیزیں عربوں میں رائج اور مشہور ہوگئی تھیں، اور اپنی زندگی میں وہ ان کو برتتے تھے۔ چنانچہ جاٹوں کے بال ترشوانے کی ایک قسم قلی ہے جو عربوں میں رائج ہوگئی تھی۔ لسان العرب اور مجمع البحار میں ہے:

و فی بعض الاخبار فحلق راسہ زطیۃ، قیل ھو مثل الصلیب انہ فعل الزط (۳)

بعض اخبار میں ہے کہ آپ نے جاٹوں کے طریقہ سے سر منڈایا تھا جس کی شکل صلیب کے مانند ہوتی ہے۔ جیسا کہ جاٹوں کا طریقہ ہے۔

---

(۱): ترمذی شریف ابواب الامثال۔ (۲): الادب المفرد، امام بخاری، ص ۲۷، مطبع تازیہ مصر۔
(۳): لسان العرب، ج ۷، ص ۳۰۸، و مجمع البحار، ج ۲، ص ۶۲۔

اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سر منڈایا تھا یا کسی صحابی وغیرہ کا واقعہ ہے۔ مگر ظاہری الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے۔

جاٹوں کی نسبت سے کپڑے عرب میں مشہور تھے۔ ''لسان العرب'' میں ہے:

الزط جیل اسود من السند الیھم تنسب الثیاب الزطیة (۱)	جاٹ سندھ کے سیاہ رنگ کے لوگ ہیں ان کی طرف ثیاب زطیہ منسوب ہیں۔

اس عبارت سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ ثیاب زطیہ خاص قسم کے کپڑے تھے جن کو جاٹ تیار کرتے تھے اور عرب کے بازاروں میں فروخت کرتے تھے، یا پھر یہ ان کی ذاتی پوشاک کے کپڑے تھے۔ جیسے دھوتی وغیرہ۔

جاٹوں کے ذریعہ گانے کے بعض ہندی راگ بھی غالباً قدیم زمانہ سے عربوں میں مشہور تھے اور وہ ان کے ذریعہ ہندی موسیقی سے محظوظ ہوتے تھے۔ اس کی تصریح اگرچہ اس دور میں نہیں ملتی مگر جاحظ نے ''کتاب الحیوان'' میں ایک شاعر کا رجز نقل کیا ہے جس میں اس نے مچھر کی آواز کو جاٹوں کے نغمہ سے تشبیہ دی ہے۔ اس رجز کا ایک مصرعہ یہ ہے:

اذا تغنین غناء الزط	مچھر جاٹوں کے گانے کی طرح گا رہے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں جاٹوں کا نغمہ بہت مشہور تھا۔

مذکورہ بالا تصریحات سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں جاٹوں کے اطوار و عادات مشہور تھے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے جاٹ عرب میں اپنی ملکی اور قومی خصوصیات قائم رکھنے میں آزاد تھے اور ان پر عربی زندگی اس طرح مسلط نہیں ہوئی کہ وہ اپنی ہندی زندگی کو بالکل ہی بھول گئے ہوں، یا چھوڑ بیٹھے ہوں، بلکہ انہوں نے عربی زندگی کو اپنے اطوار و عادات سے متاثر کیا۔

جاٹوں کی زبان اور اس کا اثر عربی زبان پر

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جاٹوں نے اپنی ہندوستانی زبان خلافتِ راشدہ کے زمانہ تک محفوظ رکھی اور وہ اسی میں گفتگو کرتے تھے، مجمع البحرین میں ہے:

(۱): لسان العرب، ج ۷، ص ۳۰۸۔

وفی حدیث علی اللہ لما فرغ من قتال اھل البصرۃ اتاہ سبعون رجلاً من الزط فکلموہ بلسانھم فقالوا لعنھم اللہ بل انت، انت (۱)

حضرت علیؓ کے واقعہ میں ہے کہ جب وہ اہل بصرہ سے جنگ کر کے فارغ ہوئے تو ان کی خدمت میں ستر جاٹ حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی زبان میں آپ سے بات کی اور کہا کہ اللہ ان (اہل بصرہ) پر لعنت کرے، کوئی اور نہیں بلکہ آپ اور صرف آپ امیر و حاکم ہیں۔

اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ بصرہ کے جاٹوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک اپنی ملکی اور قومی زبان ہندی کو محفوظ رکھا تھا اور وہ اسی میں گفتگو کرتے تھے اور انہوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کا اقرار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے جن علاقوں میں یہ ہندوستانی آباد تھے، خصوصیت سے بحرین وغیرہ کے ساحلی اطراف میں، وہاں کے عربوں کی زبان ان کی زبان کے اختلاط کی وجہ سے غیر فصیح اور غیر معتبر ہو گئی تھی۔ چنانچہ قبیلہ بنو عبدالقیس اور ازدعمان کی زبان اس لیے غیر مستند قرار پائی کہ وہ لوگ بحرین میں ایرانیوں اور ہندوستانیوں کے اختلاط کی وجہ سے عربیت کا جوہر کھو چکے تھے، یہی حال یمن والوں کا تھا۔

عہد رسالت میں جاٹوں سے مسلمان اچھی طرح واقف تھے اور ان میں ان کی رنگت، شکل وشباہت اور لباس و ہیئت وغیرہ مشہور تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ روایت گزر چکی ہے جس میں انہوں نے ایک مخلوق کو جاٹوں سے تشبیہ دی ہے اور ان کے لمبے لمبے بالوں اور موٹے تازے جسموں کو خاص طور سے بیان فرمایا ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جسمانیت میں جاٹوں سے تشبیہ دی ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے:

واما موسیٰ فآدم سبط کانہ من رجال الزط (۲)

موسیٰ گندمی رنگ کے خوش قامت تھے، گویا وہ جاٹوں میں سے تھے

---

(۱): مجمع البحرین، مادہ زط، طبع ایران۔ (۲): بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ عز وجل واذکر فی الکتاب مریم۔

اسی طرح جب ۱۰ ہجری میں نجران سے بنی حارث بن کعب کے مسلمانوں کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

من هؤلاء القوم الذی کانهم رجال الهند (۱)

یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے آدمی معلوم ہوتے ہیں

جاٹوں اور عربوں کی باہمی معاشرت

جاٹوں نے اپنی خصوصیت باقی رکھتے ہوئے اپنے کو عربی زندگی سے اس طرح ہم آہنگ کر لیا تھا کہ عربوں کے اجتماعی معاملات میں ان کا ساتھ دیتے تھے اور مختلف قبائل کے موالی و حلفاء بن کر ان کے طرف داروں میں شمار ہوتے تھے، جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ قطیف، ہجر اور خط وغیرہ ساحلی علاقوں کے جاٹ ارتداد کے زمانہ میں حطم بن ضبیعہ کے ساتھ خلافت صدیقی کے خلاف کفار و مشرکین کے ساتھ نکلے تھے۔ اس طرح یمامہ کی جنگ میں اسی زمانہ میں مسیلمۃ الکذاب کی فوج کے پاس جو ہندی تلواریں تھیں، وہ غالباً نجران و نجد کے جاٹوں ہی کی تھیں۔

بعد میں یہ لوگ بحرین کے مشہور قبیلہ بنو عبدالقیس کے خاص حلیف اور طرف دار بن گئے تھے۔ عویم بن عبداللہ کا قول ہے:

ویغنی الزط عبد القیس عنا وتکفینا الاساورة المزونا

ہمارے مقابلے میں عبدالقیس کو جاٹ کافی ہیں اور ہمارے لیے اساورہ کافی ہیں۔

اسی طرح وہ عرب کے مشہور قبیلہ بنو تمیم کے بھی حلیف و ہمنوا تھے اور قبائلی لڑائیوں میں ان کی مدد کرتے تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

فجئنا بحی وائل و بلفّها وجاءت تمیم زطها والاساور (۲)

ہم وائل کے دونوں قبیلوں اور اس کے دوستوں کو لے کر آئے اور بنو تمیم اپنے جاٹوں اور اساورہ کو لے کر آئے۔

جاٹوں کی یہ روش عہد اسلام میں بھی قائم رہی اور وہ اسلام لانے کے بعد بھی اپنی پسند سے کسی نہ کسی قبیلہ کے حلیف بن کر ان کے ساتھ رہتے تھے اور اس کی معیت میں

(۱) سیرت ابن ہشام، ص ۵۹، و تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۵۶۔ (۲): لسان العرب، ج ۷، ص ۳۰۸۔

اسلامی غزوات میں شریک ہوتے تھے، چنانچہ ۱۴ ہجری کے بعد بصرہ کے جاٹ اور سیابجہ بنو حنظلہ کے ساتھ رہتے تھے اور مشرکین سے جہاد کرنے کے لیے ان کے ساتھ نکلتے تھے (۱)

جاٹوں کی مسلمانوں کی باہمی آویزش سے کنارہ کشی

اس سلسلہ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ جاٹوں نے بعد میں حتی الامکان غیر جانبداری پر عمل کیا اور کھل کر مسلمانوں اور عربوں کے اندرونی معاملات میں کبھی دخل نہیں دیا۔ بحرین کے جاٹ حطم بن ضبیعہ کے دباؤ میں آ کر عہد صدیقی میں اسلامی فوج کے مقابلے میں ضرور آئے مگر اسلام لانے کے بعد انہوں نے اپنی غیر جانبداری کی پالیسی کو برقرار رکھا اور مسلمانوں کے آپس کے معاملات میں شریک نہیں ہوئے۔ بلاذری کی شہادت ہے:

ولم يشهدوا معهم الجمل وصفين ولا شيئاً من حروبهم (۲)	ان لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ نہ جنگ جمل میں، نہ جنگ صفین میں اور نہ ہی کسی اور جنگ میں شرکت کی۔

مسلمانوں کی خانہ جنگی میں جاٹوں کی طرف داری

بصرہ کے مسلمان جاٹوں سے یہ شرط کر لی گئی تھی کہ وہ داخلی معاملات میں نہ پڑیں گے اور کسی جماعت کے مقابلہ میں دوسری جماعت کی مدد نہیں کریں گے۔ لیکن بعد میں حالات کے تقاضے سے ان کو مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں اور تحریکوں میں کسی نہ کسی فریق کا ساتھ دینا پڑا۔ چنانچہ جمل اور صفین کے بعد یوم مسعود اور یوم زبدہ میں انہوں نے حصہ لیا اور عبد الرحمٰن بن اشعث نے جب بنو امیہ کے خلاف قراء کی جماعت کے ساتھ خروج کیا تو جاٹ اور سیابجہ بھی کھل کر اس میں شریک ہوئے۔ حجاج بن یوسف نے اس بدعہدی کے جرم میں ان کے مکانات مسمار کرا دیے، وظیفے بند کر دیے اور ان کو جلاوطن کر دیا۔ (۳) اس کے بعد جاٹوں کی جمعیت منتشر ہو گئی اور انہوں نے اس کے انتقام میں بصرہ اور بغداد کے اطراف میں بڑی شورش برپا کی اور ان کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔

---

(۱)، (۲)، (۳): فتوح البلدان، ص ۳۶۷۔

عہد رسالت میں جاٹوں کے اسلام کی تصریح اب تک ہم کو نہیں مل سکی اور نہ یہ پتہ چل سکا کہ ان کی کوئی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام لائی تھی، مگر یہ قطعی ہے کہ عہد رسالت میں یمن اور بحرین کے حدود کے بعض جاٹ مسلمان ہوئے تھے، البتہ عہد فاروقی میں جب ۱۴ ہجری میں بصرہ آباد کیا گیا تو یہاں مسلمان جاٹوں کی بڑی تعداد موجود تھی، جو بنو حنظلہ کے ساتھ رہتی تھی، اور جب ایران کے اساورہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے تو وہ بصرہ میں ان ہی مسلمان جاٹوں اور سیابجہ کے ساتھ رہنے لگے۔ مگر جب ان ایرانی اور ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی تعداد اکٹھا ہو گئی تو بنو تمیم نے ان کو اپنی طرف کھینچا اور اساورہ بنو سعد کے یہاں چلے گئے اور جاٹ اور سیابجہ بنو حنظلہ سے مل گئے۔

جاٹوں کی سرکشی اور غارت گری

بعد میں حجاج بن یوسف نے سندھ سے جاٹوں کو اور دوسری قوموں کو ان کے بال بچوں سمیت بلا کر مقام کسکر کے نشیبی سنگلاخ حصہ میں آباد کیا، جنہوں نے یہاں اچھی خاصی طاقت جمع کر لی۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں بہت سے غلاموں اور بنو باہلہ کے موالی اور محمد بن سلیمان بن علی کے ننہال کے لوگوں نے بھاگ بھاگ کر یہاں آ کر پناہ لی اور ڈاکہ زنی اور حکومت کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ اس سے پہلے بھی یہ جاٹ کشتیوں کو لوٹ لیتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ ان کی جمعیت کے ساتھ ان کی جرأت و طاقت بھی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ مامون کے زمانہ میں انہوں نے بصرہ کا تمام نشیبی علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا اور بصرہ سے جو کشتی اور جہاز بغداد جاتا اس کو لوٹ لیتے، جس سے بغداد اور مصر کے درمیان بحری سفر اور حمل و نقل کا سلسلہ بند ہو گیا اور اس کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ خلیفہ معتصم نے اپنے زمانہ میں ان جاٹوں کے خلاف فوجی کارروائی کی اور ان کی سرکوبی کے لیے خراسان کے ایک فوجی افسر عجیف (بن عنبسہ) کی سرکردگی میں فوج روانہ کی۔ عجیف بن عنبسہ کو پورا اختیار دیا کہ اس مہم میں جتنا بھی صَرف ہو، بے تکلف خرچ کیا جائے۔ عجیف نے بڑے اہتمام سے جاٹوں کا مقابلہ کیا اور ان کو شکست دی اور گرفتار کر کے بغداد لایا۔ ان میں کچھ لوگوں کو خانقین میں رکھا گیا اور زیادہ تعداد عین زربہ اور دوسری سرحدوں کی طرف بھیج دی گئی۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ بحرین کے علاقہ خط میں جاٹ اور سیابجہ آباد تھے۔ مامون نے ۲۰۵ ہجری میں ان سے جنگ کرنے کے لیے عیسیٰ بن یزید جلودی کو پھر ۲۰۶ ہجری میں داؤد بن ماسحور کو متعین کیا، اس کے بعد ۲۱۹ ہجری میں عجیف بن عنبسہ نے ان کو زیر کیا۔

مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے کہ معتصم کے زمانہ میں ہندوستان کے بہت سے جہاز گرفتار کیے گئے۔ ان میں ایک بہت بڑی جمعیت تھی جو ساحل فارس، عمان اور بصرہ اور واسط کے درمیانی علاقہ میں ڈاکہ زنی اور قتل و خون ریزی کیا کرتے تھے۔ ہندوستان کے قحط اور گرانی کی وجہ سے یہ لوگ بہت بڑی تعداد میں نقل مکان کر کے کرمان، فارس اور اہواز کے علاقہ میں آ کر آباد ہو گئے اور ان کو یہاں غلبہ حاصل ہو گیا۔ معتصم نے ان کو وہاں سے نکال کر خانقین اور جلولا میں اور شام کے شہر عین زربہ میں آباد کیا۔ اسی کے بعد سے ملک شام میں بھینسوں کا رواج ہوا، اس سے پہلے وہاں کے لوگوں نے بھینس نہیں دیکھی تھی۔ (۱)

یہ ہے ہندوستان کے ان جاٹوں کی مختصر تاریخ جو قدیم زمانہ سے عرب میں آباد تھے، اور اسلامی دور میں انہوں نے بصرہ اور بغداد کے درمیان اپنی ایک آزاد ریاست قائم کرنے کی کوشش کی اور خلافت اُموی اور خلافت عباسی میں بڑی شورش برپا کی تھی۔ اس لیے حکومت کو ان کا استیصال کرنا پڑا۔

جاٹوں میں بعض بڑی اور مشہور شخصیتیں بھی گزری ہیں۔ مثلاً ابوسالمہ زطی: یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ میں آباد سیابجہ کے حاکم مقرر کیے گئے تھے۔ نہایت صالح اور نیک بزرگ تھے۔ محمد بن عثمان زطی بصری کو جاٹوں نے اپنے غلبہ و فتنہ کے زمانہ میں اپنا حاکم بنایا تھا۔ اسی زمانہ میں انہوں نے سماق زطی نامی ایک شخص کو بھی اپنا امیر بنایا تھا۔ ان کے تفصیلی حالات کے لیے "تاریخ ابن خلدون" یا "رجال السند والہند" ملاحظہ ہو۔

مید

ہندوستان کی ایک اور جماعت بھی قدیم زمانہ سے عرب میں پائی جاتی تھی، اس کو عرب "مید" کہتے ہیں۔ ایرانیوں کے توسط سے جو مید عرب میں گئے ان کی حیثیت شاہی فوج اور ایرانی لشکر کے سپاہیوں کی تھی اور جنہوں نے بطور خود عرب میں بود و باش اختیار کی،

(۱): رجال السند والہند، ص ۲۷۳ تا ۲۷۵، ذکر ابوسالمہ زطی۔

ان کو عرب مید یعنی ڈاکو اور بحری آفت کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ عربوں کے جہازوں اور کشتیوں کو لوٹ لیتے تھے اور تجارتی کاروبار میں بڑی تباہی برپا کرتے تھے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا بیان ہے کہ شاہان ایران نے سندھ اور بلوچستان پر قدیم زمانہ سے قبضہ کر کے یہاں کے جاٹ اور مید دو قوموں کو اپنی فوج میں رکھا تھا اور وہ ان سے اپنی حکومت کے قیام و بقا میں کام لیتے تھے۔

مید کی تحقیق

غالباً اسی مید قوم کے بحری حملوں سے بچنے کے لیے عربوں کو ان ہی کے ہم وطن سیابجہ اور بیاسرہ کو اپنے جہازوں کی حفاظت کے لیے رکھنا پڑتا تھا جو ان پر حملہ کرنے والوں کا مقابلہ کرتے تھے اور اپنی نگرانی میں عربوں کے جہازوں کو ساحل مقصود تک پہنچاتے تھے۔

مید کا لفظ ہمارے خیال میں خالص عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی حرکت کرنے اور سمندر کی بدبودار ہوا اور موج کے اثر سے سر چکرانے اور قے کرنے کے ہیں اور موائد اور مآود کے معنی دواہی یعنی سخت مصائب اور مشکلات کے ہیں۔ مید کی حقیقت سمجھنے کے لیے ''لسان العرب'' کی یہ تفصیل ضروری ہے۔

وقد ماد فهو مائد من قوم ميدیٰ كرائب و روبیٰ ابو الهيثم المائد الذی يركب البحر فتغشی لنفسه من نتن ماء البحر حتی يدار به ويكاد يغشی عليه فيقال ماد به البحر يميد به ميداً، وقال ابو العباس فی قوله ان تميد بكم فقال تحرك بكم و تزلزل قال الفراء سمعت العرب تقول الميدیٰ الذين اصابهم الميد من الدوار، فی حديث ام حرام المائد

مائد کی جمع میدیٰ ہے، جس طرح رائب کی جمع روبیٰ ہے۔ ابوہیثم کا قول ہے کہ مائد وہ شخص ہے جو سمندر کا سفر کرے اور سمندر کے پانی کی بدبو سے اس کا دماغ خراب ہو جائے اور سر چکرانے اور بے ہوش ہونے لگے، ایسے موقع پر کہتے ہیں کہ سمندر نے اس کو چکر میں ڈال دیا۔ چنانچہ ابو العباس نے اللہ تعالیٰ کے قول ان ''تمید کم'' کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تم کو حرکت اور چکر میں ڈال دے۔ فراء نے کہا ہے کہ میں نے عربوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میدیٰ وہ لوگ ہیں جن کو چکر کی وجہ سے غشی اور متلی وغیرہ آنے لگے، اور حضرت

فی البحر له اجر شهيد هو الذی يدار راسه من ريح البحر واضطراب السفينة بالامواج الازهری ومن المقلوب الموائد والماود الدواهی (۱)

ام حرامؓ کی حدیث یہ ہے کہ سمندر میں بے ہوش ہونے والے کو شہید کا ثواب ملتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کا سر سمندر کی ہوا اور موجوں کی وجہ سے کشتی کے ڈگمگانے سے چکرانے لگے۔ ازہری کا قول ہے کہ جن اسماء میں قلب ہے ان میں سے موائد اور ماود ہیں جو مصائب کے معنی میں ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ سمندر کی بدبودار ہوا اور موجوں کی وجہ سے یا جہازوں اور کشتیوں کے ہچکولے سے جو دوران سر، غشی، قے اور چکر وغیرہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے، اسے مید کہتے ہیں۔ یعنی سمندری بیماری کا نام مید ہے، جسے سمندری بلا بھی کہہ سکتے ہیں اور ہندوستان کی یہ ساحلی قوم بھی جو عربوں کے تجارتی جہازوں کو لوٹتی تھی، بہت بڑی بحری بلا تھی، اس لیے وہ اسے مید کہنے لگے۔

ہندوستان میں مید کا علاقہ

مید یعنی بحری ڈاکو سندھ سے لے کر گجرات بلکہ اس سے بھی آگے تک ساحلی مقامات کے وہ شریر باشندے تھے جو سمندر میں ڈاکہ زنی کر کے خشکی کی کمائی کے ساتھ ساتھ بحری کمائی بھی کرتے تھے۔ ان کا عام مذہب بودھ مت تھا۔ قدیم جغرافیہ نویس ابن خرداذبہ نے سندھ سے ہندوستان کا ساحلی راستہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

ومن مهران الیٰ اوتكين وهی اول ارض الهند مسيرة اربعة ايام وفی هذه الارض ينبت القنا فی جبالها والزرع فی اوديتها و اهلها عتاة مردة اللصوص منها علی فرسخين الميد (۲)

مہران (دریائے سندھ) سے ہندوستان کی ابتدائی سرحد اوتکین تک چار دن کی مسافت ہے اور اس پورے علاقہ میں پہاڑوں میں بانس ہوتا ہے اور وادیوں میں کھیتی ہوتی ہے۔ یہاں کے باشندے بڑے سرکش، شریر اور چور ہوتے ہیں۔ یہاں سے دو فرسخ کے فاصلے پر مید کا مقام آتا ہے۔

(۱): لسان العرب، ج ۳، ص ۴۱۲۔ (۲): المسالک والممالک، ص ۶۲۔

یعنی مہران (دریائے سندھ کے بعد) کی پہلی منزل سے سرکشوں، متمردوں اور چوروں ڈاکوؤں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اس کے بعد کی منزل کو ان ہی کے نام سے موسوم کر کے مید کہا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ قوم عربوں کے جہازوں کے لیے کتنی بڑی مصیبت تھی۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ حدود سندھ کے تمام شہروں میں کفار کا مذہب بودھ ہے اور ان کے ساتھ ہی ایک قوم ہے جسے مید کہا جاتا ہے۔

والکفار فی حدود بلاد السند انماھم البدۃ وقوم یعرفون بالمید (۱)

بلاد سندھ کے حدود میں جو کفار ہیں وہ بدھ ہیں اور ایک قوم ہے جسے مید کہتے ہیں۔

پھر آگے چل کر مید کے اصلی دیس، ان کی کثرت وشوکت اور دوسرے امور بیان کیے ہیں:

والمید فھم علی شطوط مھران من حد الملتان الی البحر ولھم فی البریۃ التی بین مھران وقامھل مراع ومواطن کثیرۃ ولھم عدد کثیر (۲)

اور مید مہران کے سواحل سے لے کر ملتان کی سمندری حد تک کے علاقہ میں آباد ہیں اور مہران اور قامہل کے درمیانی میدانوں میں ان کی چراگاہیں اور بہت سی بستیاں ہیں اور ان کی کثرت ہے۔

ابن خرداذبہ کے بیان کے مقابلہ میں اصطخری کا بیان زیادہ واضح اور پر معلومات ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے سندھ کے سواحل سے لے کر ملتان کی سرحد تک مید قوم آباد تھی اور دریائے سندھ سے ہندوستان کے سرحدی شہر قامہل تک پورا علاقہ اسی قوم کا مسکن تھا۔ اس سے مراد غالباً صحرائے سندھ سے لے کر کچھ، کاٹھیا واڑ اور راجستھان کا مغربی شمالی علاقہ ہے جو ریگستانوں اور پہاڑوں پر مشتمل ہے اور پیداوار بھی خوب ہوتی ہے۔ آج بھی یہ علاقہ اپنی قدیم روایات کے ساتھ موجود ہے اور یہاں کے ریگستان عربی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔

مید کی شرارت اور مسلمانوں کی تادیب

یہی سمندری لٹیرے (مید) تھے جنھوں نے پہلی صدی ہجری کے آخر میں سرندیپ

(۱): المسالک والممالک، ص ۶۲۔ (۲): ایضاً، ص ۱۶۷۔

سے آنے والے جہاز کو لوٹا تھا، جس میں مسلمانوں کی عورتیں اور بچے سوار تھے اور سرندیپ کے راجا نے ان کو عزت واحترام کے ساتھ اُموی خلیفہ کی خدمت میں بھیجنا چاہا تھا۔

فعرض للسفينة التي كن فيها، قوم من ميد الديبل في بوارج (۱)

جس جہاز میں یہ عورتیں تھیں اس کو دیبل کے مید کی ایک جماعت نے کشتیوں پر سوار ہو کر گھیرا

ہندوستان کے یہ سمندری قزاق یہاں کے سواحل میں بہت دنوں تک آباد رہے اور سمندر میں دہشت پھیلاتے تھے۔ تیسری صدی میں دولت ماہانیہ سنجان کے حکمرانوں نے ان کی سرکوبی کی اور حدود یمن سے لے کر کاٹھیاواڑ تک کے سواحل کو ان سے پاک کیا۔ (۲)

مید قوم کے بارے میں عہد رسالت میں کوئی ایسی شہادت اب تک نہیں مل سکی ہے جس سے معلوم ہو کہ اس کو اسلام سے کیا تعلق تھا۔

سیابجہ یا سبابجہ

جاٹ اور مید کے بعد ہندوستان کی ایک اور قوم عرب میں قدیم زمانہ سے پائی جاتی ہے، وہ سیابجہ (بالیاء) یا سبابجہ (بالبا) ہے۔ بلاذری نے "فتوح البلدان" میں اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں بار بار سیابجہ استعمال کیا ہے۔ ہم نے بھی "رجال السند والہند" میں عام مؤرخوں کے بیان کے مطابق سیابجہ ہی لکھا ہے۔ مگر اس کے مقابلے میں ابن فقیہ ہمدانی نے "کتاب البلدان" میں، ابن درید نے "جمہرۃ اللغۃ" میں اور ابن منظور افریقی نے "لسان العرب" میں "سبابجہ" (جمع سبیجی یا سابج) بتایا ہے۔

سبابجہ کی تحقیق

علامہ سید سلیمان ندوی نے "عرب و ہند کے تعلقات" میں جگہ جگہ سیابجہ (معرّب سیاہ بچہ) درج فرمایا ہے، مگر عربوں کی جہاز رانی میں ابن درید کی کتاب "جمہرۃ اللغۃ" سے سابجہ نقل کر کے لکھا ہے کہ:

"سابجہ کی ہندی اصل معلوم نہیں۔" (ص ۱۹)

---

(۱): فتوح البلدان، ص ۴۲۴۔ (۲): تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ دولت ماہانیہ سنجان مندرجہ "معارف" مارچ تا مئی ۱۹۵۱ء۔

جو مؤرخین اسے سیابجہ بتاتے ہیں ان کے نزدیک اساورہ جمع اسوار، احامرہ جمع احمر، بیاسرہ، جمع بیسر وغیرہ کی طرح یہ بھی سبیجی یا سابج کی جمع ہے۔ عربی میں لفظ سبیج بروزن رغیف فارسی کے لفظ سپی کا معرب ہے جس کے معنی قمیص کے ہیں، اس کی تصغیر سبیج ہے۔ محمد طاہر گجراتی نے لکھا ہے:

هو ثوب صوف اسود (۱)	یہ اون کا سیاہ کپڑا ہوتا ہے۔

لفظ "سبج" کے قریب قریب یہی معنی ابن خرداذبہ نے گینڈے کی سینگ کو بیان کرتے ہوئے لیے ہیں:

فيه صورة من اوّل القرن الٰى آخره فاذا شق رأيت الصورة بيضاء في سواد كالسبج في صورة انسان او دابة، او سمكة او طاؤس اوغيره من الطير (۲)	اس کی سینگ میں شروع سے آخر تک صورت ہوتی ہے، جب وہ کاٹی جاتی ہے تو اس کے اندر سیاہ رنگ میں سفید صورت نظر آتی ہے سبج کے مانند، یہ صورت انسان، چوپایہ، مچھلی، مور وغیرہ کی ہوتی ہے۔

سبج کے معنی سیاہ کمبل اور تسبج کے معنی سیاہ کمبل پہننے کے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر لفظ سیابجہ، سبیجی یا سابج کی جمع ہے تو اسی سے مشتق ہے، کیونکہ یہ لوگ عرب میں جا کر کشتیوں اور جہازوں کی بحری ڈاکوؤں سے حفاظت کا پیشہ کرتے تھے اور ضرورت کے وقت ان سے جنگ کرتے تھے، بعد میں جیل خانے وغیرہ کے محافظ بھی ہوا کرتے تھے۔ اس لیے یہ لوگ سردی، پانی اور موج وغیرہ سے بچنے کے عام طور سے سیاہ کمبل استعمال کرتے تھے، اس سے دشمنوں کے مقابلہ میں جسم کی حفاظت بھی ہوتی تھی۔

"لسان العرب" میں سیابجہ کا بیان اس طرح ہے:

والسبابجة قوم ذوو جلدٍ من السند والهند، يكونون مع رئيس السفينة البحرية يبذر قونها ... واحدهم سبيجي،	سیابجہ سندھ اور ہند کے قوی اور بہادر لوگ ہیں جو سمندری کشتی کے مالک کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کی حفاظت کرکے سمندری لٹیروں سے بچاتے ہیں۔ اس لفظ کا واحد سبیجی ہے اور اس کی

(۱): مجمع البحار، مادہ سبج۔ (۲): المسالک والممالک، ص ۶۷۔

ودخلت فی جمعه الهاء العجمة والنسبة کما قالو البرابرة، وربما قالوا السابج۔	جمع میں عجمیت اور نسبت کی وجہ سے صرف ہاء داخل کر دیا گیا ہے، جیسے برابرہ جمع بربر میں ہے اور واحد کے لیے سابج بھی استعمال کرتے ہیں۔

اس میں سیابجہ کو سندھ اور ہند کی ایک قوی ہیکل اور ڈیل ڈول والی قوم بتایا گیا ہے جو بحری سفر میں محافظ فوج کی طرح رہا کرتی تھی اور یہ لوگ عرب میں اسی کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے تھے۔ ابن السکیت کا بیان ہے:

السبابجة قوم من السند یستاجرون لیقاتلو فیکونون کالمبذرقة۔	سیابجہ سندھ کی ایک قوم ہے، ان کو مقابلہ کے لیے اجرت پر جہازوں اور کشتیوں پر ملازم رکھا جاتا ہے اور وہ محافظ و نگراں کی حیثیت سے رہتے ہیں۔

امام لغت جوہری نے لکھا ہے:

السبابجة قوم من السند کانوا بالبصرة جلاوز، وحرّاس السجن (۱)	سیابجہ سندھ کی ایک قوم ہے جو بصرہ میں تعینات تھی اور قید خانوں کی محافظ تھی۔

مشہور قدیم لغوی ابن درید نے "جمہرۃ اللغۃ" میں لکھا ہے:

السبابجة قوم من الهند یستاجرون للقتال فی السفن (۲)	سیابجہ ہندوستان کی ایک قوم ہے جن کو لڑنے کے لیے جہازوں اور کشتیوں میں اُجرت پر رکھا جاتا تھا۔

ابن فقیہ ہمدانی نے "کتاب البلدان" میں لکھا ہے:

وعلوج السند السبابجة (۳)	سندھ کے چودھری اور حاکم کو سیابجہ کہتے ہیں

ان بیانات سے سیابجہ کے بارے میں اجمالی طور سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ وہ سندھ اور ہندوستان کے باشندے تھے۔ عرب کے ساحلی مقامات پر سکونت کر کے کشتیوں اور جہازوں پر ملازمت کرتے تھے اور بحری ڈاکوؤں سے بوقت ضرورت لڑتے

(۱): ان تمام اقوال کے لیے لسان العرب ج ۲، ص ۲۹۴ ملاحظہ ہو۔ (۲): جمہرۃ اللغۃ، ج ۳، ص ۵۰۴، بحوالہ عربوں کی جہاز رانی، ص ۱۹۔ (۳): کتاب البلدان، ص ۳۵۔

تھے۔ بعد میں جب بصرہ آباد ہوا تو یہ لوگ یہاں کے جیل خانہ وغیرہ کے بھی نگران مقرر کیے گئے۔

المنجد والے کی غلطی

ان قدیم اور مستند اقوال و تصریحات کے باوجود معلوم نہیں کن معلومات کی بنا پر "المنجد" کے نئے اضافے میں سیابجہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ انڈونیشیا کے باشندے تھے اور ۶۳۸ ہجری میں مسلمان ہوئے:

قوم قطنوا قبل الاسلام في سواحل خليج العجم، اصلهم من جزيرة سوماترا، اعتنقوا الاسلام ٦٣٨، وتجندوا في جيشه، أقيموا حرسةً علىٰ خزينة البصرة (۱)

سیابجہ ایک قوم ہے جو قبل اسلام خلیج فارس کے سواحل میں آباد تھی، اس کی اصل جزیرہ سماترا سے ہے۔ یہ لوگ ۶۳۸ ہجری میں مسلمان ہوئے اور اسلام کی فوج میں شامل ہو گئے۔ پھر یہی لوگ بصرہ کے بیت المال کے محافظ مقرر کیے گئے۔

واقعہ یہ ہے کہ سیابجہ خالص ہندوستانی تھے۔ ان کو سماترا اور انڈونیشیا سے کوئی تعلق نہیں تھا اور ان کے مسلمان ہونے کے بارے میں ۶۳۸ ہجری کی تعیین کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

سیابجہ ایران میں

عرب سے پہلے ایران میں سیابجہ کا نشان ملتا ہے اور جاٹوں کی طرح ان کے ایران میں آنے، جانے اور رہنے کی تصریح ملتی ہے۔ ابو الفرج قدامہ بن جعفر بغدادی نے "کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ" میں لکھا ہے کہ انوشیرواں بن قباد نے ایران کی حکومت سنبھالنے کے بعد تین شہر آباد کیے، شہر شابران، شہر مسقط اور باب الابواب، پھر لکھا ہے کہ:

وأسكن ما بنى من جنده قوما سماهم السياسجيين (۲)

اور اس نے اپنے آباد کیے ہوئے شہروں میں اپنی فوج کی ایک جماعت کو رکھا جن کو سیاسجین کے نام سے یاد کیا۔

---

(۱): المنجد طبع جدید، ص ۶۵۶۔　(۲): بندۃ من کتاب الخراج وصنعۃ الکتاب ملحقہ مسالک الممالک، ص ۳۶۰۔

سیابجین، سیابجہ اور سبابجہ میں بظاہر کوئی جوڑ نہیں معلوم ہوتا، مگر ممکن ہے سندھ اور ہندوستان کی یہی قوم ان نئے شہروں میں محافظ اور نگراں کی حیثیت سے رکھی گئی ہو، جو ان میں امن و امان کے قیام کے ساتھ ساتھ چوروں، ڈاکوؤں سے بھی ان کی حفاظت کرتی رہی ہے اور سیابجین کے لقب سے یاد کیا جاتا رہا ہو، پھر یہی لفظ معرب ہو کر سبابجہ یا سیابجہ بن گیا ہو۔ خاص طور سے ایسی صورت میں جب کہ سندھ کے سیابجہ ایرانیوں کی فوج میں شامل بھی تھے۔ اس کا بیان آ رہا ہے۔

قدیم ایران میں سیاہ جرد، سیاہ مص اور سیاہ نام کی بستیوں کا تذکرہ کتابوں میں آتا ہے۔(۱) مکران کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس جگہ کے کالی نسل کے لوگوں کی بستیاں تھیں، مگر قیاس ہوتا ہے کہ ان میں ہندوستان کے سیاہ رنگ کے لوگ اکثریت میں آباد رہے ہوں گے، جن میں جاٹ اور سیابجہ سب ہی شامل ہوں گے۔

سیابجہ عرب میں

یوں تو سیابجہ خلیج عرب کے ساحلی مقامات پر عام طور سے عہد رسالت اور اس کے بھی پہلے سے موجود تھے مگر ابلہ جہاں بعد میں بصرہ آباد ہوا اور بحرین ان کے خاص مرکز تھے، بصرہ کے جاٹوں اور سیابجہ کے متعلق بلاذریؒ کی یہ روایت گزر چکی ہے۔

فانضم الی الا ساورۃ السیابجۃ وکانوا قبل الاسلام بالسواحل وکذالک الزط وکانوا بالطفوف یتتبعون الکلا (۲)

سیاہ اسواری اپنے آدمیوں سمیت اساورہ و سیابجہ میں مل گیا، یہ لوگ اسلام سے پہلے سواحل میں آباد تھے، اسی طرح جاٹ بھی تھے، جو سواحل میں چارے کی تلاش میں پھرا کرتے تھے۔

یہاں پر طفوف و سواحل سے مراد بحرین اور عمان کے ساحلی مقامات اور بستیاں ہیں۔ جن میں قطیف، ہجر، دارین، خط، قطر وغیرہ حامل تھے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عہد صدیقی کے شروع ہوتے ہی جب بحرین میں ارتداد کا فتنہ کھڑا ہوا تو کفار و مشرکین بھی حطم بن ضبیعہ کی سرکردگی میں اسلام کے خلاف

---

(۱): بندۃ من کتاب الخراج وصنعۃ الکتاب ملحقہ مسالک الممالک، ص ۱۲، ۴۵ و ۵۸۔

(۲): فتوح البلدان، ص ۳۶۷۔

اٹھے، جس میں جاٹوں کی طرح سیابجہ بھی گمراہ کر کے شامل کیے گئے۔

حتی نزلها لقطيف وهجر واستغوى الحظ، ومن فيها من الزط والسيابجة (۱)

حطم اپنی فوج لے کر قطیف اور ہجر آیا اور حظ کی آبادی اور وہاں کے آباد جاٹوں اور سیابجہ کو بہکا کر اپنے ساتھ کر لیا۔

سیابجہ کے ان دو مرکزوں کے علاوہ ان کی کسی بڑی آبادی کا پتہ نہیں چلتا، لیکن ظاہر ہے کہ یہ لوگ منتشر طریقہ پر عرب موجود رہے ہوں گے۔

سیابجہ ایرانی فوج میں

اگرچہ سیابجہ کے بارے میں عام طور سے مؤرخوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ وہ کشتیوں اور جہازوں کی حفاظت کیلئے ملازم رکھے جاتے تھے لیکن اسی کے ساتھ وہ جاٹوں کی طرح ایرانیوں کی فوج میں شامل بھی تھے اور سندھ کی ایرانی فوجوں میں ان کا شمار تھا اور بیگار کے طور پر ان کو معمولی سی تنخواہ دی جاتی تھی، جیسا کہ علامہ بلاذری کا یہ بیان گزر چکا ہے۔

واما السيابجة والزط والاندغار فانهم كانوا فى جند الفرس ممن سبوه و فرضوا له من اهل السند (۲)

سیابجہ، زط اور اندغار ایرانیوں کی اس فوج میں تھے جسے انہوں نے گرفتار کر کے سندھیوں میں شمار کیا اور ان ہی کی سطح پر رکھا۔

اندغار ایک قوم تھی جو سجستان سے متصل کرمان کے اطراف میں رہتی تھی۔

سیابجہ عربی معاشرہ میں

قدیم زمانہ سے سیابجہ کے عرب میں اچھی خاصی تعداد میں ہونے اور عربی زندگی میں اپنی جگہ لینے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ عربی ادبیات میں ان کا تذکرہ پایا جاتا ہے اور عربی شاعری نے ان کو اپنی تاریخ میں جگہ دی ہے۔ چنانچہ یزید بن مفرغ حمیری نے کہا ہے:

وطماطم من سيابيج خزر　يلبسوني مع الصباح القيودا

سیابج کی محفوظ فوجیں مجھ کو صبح کے وقت بیڑیاں پہنا رہی ہیں۔

---

(۱): تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۵۵، و کامل ابن اثیر ج ۱، ص ۱۴۱۔ (۲): فتوح البلدان، ص ۳۶۷

اسی طرح ایک اور شاعر ہمیان نے کہا ہے:

لو لقی الفیل بارض سابجا لدق منه العنق والدوارجا

اگر ہاتھی کا کسی جگہ سابج سے پالا پڑ جائے تو سابج اس کی گردن اور ہڈی پسلی کو توڑ دے گا

سیابجہ عہد اسلام میں

سیابجہ عہد رسالت کے پہلے سے عرب میں موجود تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کے مسلمان ہونے کی تصریح ہم کو نہیں مل سکی۔ البتہ عہد فاروقی میں یا اس سے پہلے بصرہ اور اس کے اطراف کے سیابجہ بھی جاٹوں کی طرح مسلمان تھے اور جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ہاتھ پر ایران کے اساورہ مسلمان ہو کر بصرہ میں آباد ہونے کے لیے آئے تو ان ہی اساورہ اور سیابجہ کے یہاں اُترے جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے، اور جب جاٹ، سیابجہ اور اساورہ یک جا ہو گئے تو عرب کے قبائل نے ان کو اپنی اپنی طرف کھینچا جس کے نتیجہ میں اساورہ قبیلہ بنی سعد سے مل گئے اور جاٹ اور سیابجہ بنو حنظلہ میں چلے گئے اور ہندوستان کی یہ دونوں قومیں مسلمانوں کے داخلی جھگڑوں سے الگ رہ کر اسلام کی سربلندی کے لیے کفار و مشرکین سے جنگ کرنے میں مسلمانوں کا ساتھ دینے لگیں، جیسا کہ جاٹوں کے بیان میں گزر چکا ہے۔

سیابجہ کا بے رحمانہ قتل

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بصرہ کے بیت المال کی حفاظت کے لیے سیابجہ کی ایک جماعت تعینات رہتی تھی۔ ایک قول کے مطابق ان کی تعداد چالیس تھی اور ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد ... چار سو۔ اس وقت حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت عثمان بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہ بصرہ آئے اور بصرہ کے بیت المال پر قبضہ کرنا چاہا مگر اس کے نگران و محافظ سیابجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آنے تک بیت المال کو ان کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا، جس کے نتیجہ میں وہ سب کے سب ایک رات صبح ہوتے ہوئے قتل کر دیے گئے۔ اس وقت سیابجہ کا افسر اعلیٰ ابو سالمہ زطی (جاٹ) تھا جو بہت نیک، شریف و صالح آدمی تھا۔ بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہندوستان کے قدیم جاٹوں اور سیابجہ کی ایک بڑی جماعت کو بصرہ سے شام اور انطاکیہ کے سواحل میں منتقل

کر کے وہاں آباد کیا۔ یہ پوری تفصیل علامہ بلاذریؒ نے ”امر الاوساورۃ والزط“ کے ماتحت درج کی ہے۔(۱)

احامرہ

عرب میں ہندوستان کی ایک اور جماعت زمانہ قدیم سے آباد تھی، جسے عرب حمراء، حمر، احامر اور احامرہ کے لقب سے یاد کرتے تھے اور اس کے ایک فرد کو احمر اور محمرہ کہتے تھے، جس کا ترجمہ ہم سرخ پوش یا سرخے کر سکتے ہیں۔ قدیم احامرہ میں صرف ہندوستانی شامل تھے اور بعد میں فارس کے ان موالی کو بھی حمراء اور احامرہ کہنے لگے تھے، جو عہد فاروقی میں اسلام لائے مگر ان کو عام طور سے حمراء دیلم کی نسبت سے یاد کرتے تھے۔ قدیم احامرہ سندھ کے رہنے والے تھے۔ ان کا قدیم نشان ہم کو مسعودی کی ”مروج الذہب“ میں ملتا ہے۔ مسعودی نے بوداسف (گوتم بدھ) کے ہندوستان میں ظہور اور دعوت کے سلسلے میں ایک جگہ لکھا ہے:

وقیل ذالک فی حمر السند (۲)

اور یہ بات سندھ کے حمر (سرخوں) کے بارے میں کہی گئی ہے۔

نیز علامہ سید سلیمان ندویؒ ”الملل والنحل“ شہرستانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”بودھوں کا ایک تیسرا نام عربی کتابوں میں محمرہ ہے۔ یعنی سرخ کپڑے والے، جس سے مقصود شاید گیروا رنگ ہو، یا زعفرانی۔ یہ رنگ ان کے مذہبی پیشواؤں کی پہچان تھی۔(۳)

احامرہ کی تحقیق

”لسان العرب“ میں ہے:

والعرب تسمی الموالی الحمراء والاحامرۃ قوم من العجم نزلوا البصرۃ (۴)

عرب اپنے موالی کو حمراء کہتے ہیں اور احامرہ عجم کی ایک قوم ہے جو بصرہ میں آباد ہوئی۔

---

(۱): فتوح البلدان، ص ۳۶۶ تا ۳۶۹ ملخص۔ (۲): مروج الذہب بر حاشیہ کامل ابن اثیر، ج ۵، ص ۴۔ (۳): عرب و ہند کے تعلقات، ص ۲۳۰ و ۲۳۱، بحوالہ الملل والنحل شہرستانی بر حاشیہ الملل والنحل ابن حزم، ج ۲، ص ۲۴۲۔ (۴): لسان العرب، مادہ حمر ج ۴، ص ۲۱۰۔

اور اسی میں اساورہ کے بیان میں احامرہ کے بارے میں لکھا ہے۔

والاساورة من العجم بالبصرة نزلوا بها قديماً كالاحامرة بالكوفة (۱)	اساورہ عجم کی قوم ہے جو قدیم زمانہ میں بصرہ میں آباد ہوئی، جیسے احامرہ کوفہ میں آباد ہوئے۔

علامہ سمعانی نے ان کو قبیلہ ازد کی شاخ ہونے کا گمان ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ ''کتاب الانساب'' میں لکھا ہے:

الاحمر هذه النسبة الى الاحمر و ظني انه بطن من الازد (۲)	احمر کی نسبت سرخ رنگ کی طرف ہے۔ میرے خیال میں احمر قبیلہ ازد کی ایک شاخ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ عرب کے قدیم احامرہ ہندوستان کے باشندے تھے اور عربی قبائل کے حلیف اور موالی بن کر ان کے ساتھ رہتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ قبیلہ ازد کی کوئی شاخ بھی احمر نامی ہو۔

اس کے بھی شواہد موجود ہیں کہ خود عربوں میں کچھ سرخ کپڑے پہننے والے احمر کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ حمیری زبان میں حمر کے معنی حمیری زبان میں بات کرنے اور سرخ کپڑے پہننے کے آتے ہیں۔ ابن الانباری نے ''کتاب الاضداد فی اللغۃ'' میں لفظ 'وثب' پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ضفار کے ملوک حمیر کے یہاں ایک آدمی آیا، بادشاہ نے کہا کہ من دخل ضفار حمّر، پھر اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے:

اى تكلم بلسان حمير وقال بعضهم معنى حمّر تزيا بزيهم ولبس الحمر من الثياب (۳)	یعنی حمیر کی زبان میں بات کرنے لگتا ہے، اور بعض اہل لغت کا قول ہے کہ حمّر کا مطلب یہ ہے کہ حمیر کی ہیئت اختیار کرتا ہے اور سرخ کپڑا پہنتا ہے۔

(۱): لسان العرب، مادہ سور، ج ۴، ص ۳۸۸۔ (۲): کتاب الانساب، ج ۱، ص ۲۱۔
(۳): کتاب الاضداد، ص ۹۲، طبع کویت۔

سرخ رنگ کی ممانعت

ہوسکتا ہے کہ احادیث میں شوخ کپڑا پہننے کی ممانعت مردوں کو اسی لیے ہو کہ یہ ایک بت پرست قوم کا مذہبی شعار تھا۔ جیسا کہ بدھوں کا ایک گروہ اسی سرخ رنگ کی وجہ سے ممتاز و معروف تھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شاہان حمیر کا یہ شاہی رنگ ہو۔ جس میں جاہلی غرور ونخوت کی بو تھی، اس لیے سرخ رنگ کو شیطان کا محبوب ترین رنگ بتا کر اس سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔

ایاکم والحمرۃ فانما من احب الزینۃ الی الشیطان	خبردار تم سرخ رنگ نہ استعمال کرنا کیونکہ یہ رنگ شیطان کی بہت ہی پسندیدہ زینت ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

نھیٰ عن المیاثرۃ الحمر والقسی (۱)	آپ نے سرخ چادر اور سرخ گدی کے استعمال کی ممانعت کی ہے۔

احامرہ اور غزوہ تبوک

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں یہ ہندوستانی سرخے مدینہ اور شام کے درمیان آباد بنو غفار کے حلیف بن کر بڑی تعداد میں موجود تھے اور غزوہ تبوک کے موقع پر بنو غفار کی معیت میں اسلامی جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں غزوۂ تبوک کے سلسلے میں ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو رہمؓ کی ملاقات اور گفتگو کا تذکرہ ہے۔ اس روایت کا آخری حصہ حضرت ابو رہمؓ کی زبانی یہ ہے:

فطفق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسألنی عن من	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفار کے ان لوگوں کے بارے میں مجھ سے سوال فرمانے

---

(۱): کنز العمال، ج ۸، ص ۲۰۔

تخلف من بني غفار وهو يسألني فقال مافعل النفر الحمر الطوال الثط، قال فحدثته بتخلفهم قال فما فعل السودا لجعاد القصار، الذين لهم نعم بشبكة شرخ (۱)

لگے جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ لمبے چوڑے پیٹ والے سرخوں کا کیا حال ہے؟ میں نے بتایا کہ وہ شریک نہیں ہوئے، پھر آپؐ نے فرمایا کہ گھونگھریالے بال والے کالے لوگوں (غالباً حبشی) کا کیا معاملہ رہا، جن کے جانور مقام شبکہ شرخ میں ہیں۔

لسان العرب میں ''مادہ ثطط'' میں اس حدیث کا ایک ٹکڑا یوں درج ہے:

فقال مافعل النضر الحمر الثطاط ... و روى هذ الحديث مافعل الحمر النطاط (۲)

آپؐ نے النضر الحمرالثطاط فرمایا... اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے الحمرالنطاط فرمایا۔

ثط جس کی جمع ثطاط ہے، بڑے پیٹ والے سست آدمی کو کہتے ہیں اور اس آدمی کو بھی کہتے ہیں جو کوسج ہو، جس کے چہرے پر بال نہ ہوں یا کم ہوں اور نطط، نطناط کی جمع ہے جس کے معنی طویل کے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ النفر الحمر الطوال الثط سے مراد بنوغفار کے ہندوستانی موالی (احامرہ) ہیں اور السود الجعاد القصار سے مراد بنواسلم کے حبشی موالی ہیں، جیسا کہ ابورہم کی اسی روایت میں کہ میں نے ان کے متعلق سوچا کہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ لوگ تو اسلم سے ہیں۔ علمائے فن کو اس کی مزید تحقیق کرنی چاہیے۔ ہم نے ظاہری الفاظ و بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔

حمراءِ دیلم

یہ تو قدیم احامرہ کی باتیں تھیں جو ہندوستان کے باشندے تھے اور قدیم زمانہ سے عرب میں دوسرے ہندوستانی گروہ کی طرح آباد ہو کر عربی زندگی میں ضم ہو گئے تھے۔

(۱): الادب المفرد، ص ۱۱۲۔ طبع تازیہ مصر۔ (۲): لسان العرب، ج ۷، ص ۲۶۸۔

بعد میں حمرا اور احمر کے نام سے ایک جماعت مشہور ہوئی جو عام طور سے حمراء دویلم کی نسبت سے پہچانی جاتی تھی۔ علامہ بلاذری نے ''فتوح البلدان'' میں مسعر بن کدام سے روایت کی ہے کہ قادسیہ کی جنگ میں ایرانی سپہ سالار رستم کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے چار ہزار ایسے فوجی تھے جو ''جند شہنشاہ'' کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔

شاہی فوج کے یہ سپاہی اسلام قبول کر کے مسلمانوں سے امن خواہ ہوئے اور شرط یہ لگائی کہ وہ عرب میں جہاں چاہیں گے، آباد ہوں گے اور جس قبیلہ کے چاہیں گے، حلیف بنیں گے اور ان کے لیے بھی مسلمانوں کی طرح سرکاری وظیفے مقرر کیے جائیں گے۔ ان کی یہ تمام شرطیں منظور کی گئیں اور یہ لوگ بنی تمیم کی ایک شاخ بنوزہرہ بن حویہ سعدی کے حلیف بنے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے حسب منشا مقام بصرہ میں آباد کیا اور ان کے وظیفے مقرر کیے اور ان کو حمراء دیلم کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

وکان لھم نقیب منھم یقال لہ دیلم فقیل حمراء دیلم	ان ہی میں سے ان کا سردار تھا جسے دیلم کہا جاتا تھا، چنانچہ ان لوگوں کو حمراء دیلم کے لقب سے یاد کیا گیا

اس کے بعد علامہ بلاذری نے ابومسعود راوی کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

والعرب تسمی العجم الحمراء ویقولون جئت من حمراء دیلم کقولھم جئت من جھینة واشباہ ذلک (۱)	عرب عجمیوں کو حمراء کے نام سے پکارتے ہیں اور محاورہ کے طور پر کہتے ہیں کہ حمراء دیلم کے یہاں سے آ رہا ہوں جس طرح کہتے ہیں کہ میں قبیلہ جہینہ وغیرہ کے یہاں سے آ رہا ہوں۔

دوسری روایت میں ہے کہ یہ لوگ فتح قزوین اور فتح زنجان کے موقع پر مسلمان ہوئے اور زہرہ ابن حویہ کے ساتھ کوفہ میں ٹھہرے۔ (۲)

تین احمری

طبری نے عہد صدیقی میں عراق کی فتوحات کے بیان میں تین ایسے راویوں کے

(۱): فتوح البلدان، ص ۲۷۹۔ (۲): ایضاً، ص ۳۱۷۔

نام لیے ہیں جو احمری کی نسبت سے مشہور ہیں: (۱) زیاد بن سرجس احمری (۲) سفیان احمری (۳) عبدالرحمٰن ابن سیاہ احمری، بلکہ مؤخرالذکر کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے۔

وعبد الرحمن بن سیاہ الاحمری الذی ینسب الیہ الحمراء فیقال سیاہ (۱)	عبدالرحمٰن بن سیاہ احمری وہ شخص ہے جس کی طرف حمراء کی نسبت کی جاتی ہے اور ان کو بھی سیاہ کہہ دیا جاتا ہے۔

معلوم نہیں یہ تینوں احمری اشخاص نسلاً ہندوستانی تھے یا حمراء دیلم سے تھے، جن کے وطن اور نسل کی کوئی تعیین نہیں ہے۔ البتہ وہ رستم کے ساتھ جنگ قادسیہ میں ایران کی شاہی فوج میں تھے۔

اَساوِرَہ

عہد رسالت اور اس سے آگے پیچھے کے اَدوار میں اساور اور اساورہ کا نام کثرت سے ملتا ہے۔ عرب کے غیر ملکیوں میں ان کی تعداد سب سے زیادہ تھی اور غلبہ وشوکت کے اعتبار سے بھی یہ طبقہ سب سے اعلیٰ تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ عراق سے لے کر یمن تک کے پورے ساحلی عرب کی سیاست وحکومت پر اسی کا قبضہ تھا اور شاہانِ ایران کے نام پر یہی لوگ حکومت کرتے تھے۔ اساورہ ایران کی ''شاہی فوج'' تھے جو ایران، عرب اور دوسرے ایرانی مقبوضات پر شہنشاہیت کے محافظ تھے اور کسرائیوں کی حکومت میں ان کی بڑی اہمیت اور قدر و قیمت تھی۔ یہ لوگ زط اور سیابجہ، احامرہ اور دوسرے عجمیوں کی طرح عربی زندگی میں مل جل کر نہیں رہتے تھے بلکہ ان کی شان وشوکت اور اقتدار نے ان کو حاکمانہ حیثیت دے رکھی تھی۔ البتہ اسلام کے بعد جب عجمی غرور ٹوٹا تو ان کی ایک بہت بڑی جماعت نے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شرکت کی اور عرب قبائل کے ساتھ مل کر عربی زندگی اختیار کر لی۔ اس سے پہلے وہ اپنے کو سرکاری سطح پر رکھ کر ایرانی طرز کی زندگی گزارتے تھے اور عربوں سے بہت کم اختلاط رکھتے تھے۔

اساورہ کی تحقیق

اساور اور اساورہ لفظ اسوار کی جمع ہیں اور اسوار ہمارے خیال میں سنسکرت کے دو

(۱): تاریخ طبری، ج ۴، ص ۵ و ۶۔

لفظوں سے مرکب ہے۔اشو بمعنی اسپ (گھوڑا) اورسوار بمعنی بلند و بالا یعنی گھڑسوار۔(۱) یہ واضح رہے کہ پہلوی زبان اور سنسکرت زبان کے بہت سے مفرد الفاظ میں حرفی اور صوتی مشابہت اور ان دونوں زبانوں میں آریائی رشتہ سے ہم آہنگی ہے، اس لیے اسوار (اسپ سوار) کی یہ فارسی ترکیب بھی سنسکرت سے تعلق رکھتی ہے۔جیسا کہ قدیم ایرانی حضرت آدم علیہ السلام کو جیومرت کے لقب سے یاد کرتے تھے اور اس کا ترجمہ ابن خرادازبہ نے اپنی کتاب ''المسالک والممالک'' کے شروع میں یوں کیا ہے:

الجیو الحی، المرت المیت (۲) جیو کے معنی زندہ اور مرت معنی مردہ ہے

اسی طرح اور بہت سے الفاظ اور ترکیبوں میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے جن میں سے لفظ اسوار بھی ہے۔عربوں نے اس لفظ کو اپنے تلفظ میں مختلف طریقوں سے استعمال کیا ہے اور اس کے معنی اسپ سوار یا شہسوار بیان کیے ہیں۔''لسان العرب'' میں ہے:

الاسوار واء لا سوار، قائد الفرس و قیل هو الجید الرمی وقیل هو الجید الثبات علی ظهر الفرس، والجمع

اُسوار اور اسوار فارس کے فوج افسر کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ اچھا تیر انداز، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسوار وہ ہے جو گھوڑے کی

(۱) یہ لفظ زردشتوں کی مذہبی کتاب ''اَوِسْتا'' میں 'اسپو بارہ' اور پہلوی زبان میں 'اسوبارہ' اور پاژند میں ''اسوار'' ہے۔اردو زبان میں بھی یہ لفظ عام طور سے سوار، یا شہ سوار کے معنی میں مستعمل ہے۔مصحفی کا شعر ہے:

لٹیں اس زلف کی باہم گتھی کیا لطف دیتی ہیں تماشا ہے جو ناگن کوئی ہے ''اسوار'' ناگن پر

مثنوی ''طلسم الفت'' میں ہے:

رفقاء میں بھی پڑ گئی ہلچل جاگے اسوار چونک اٹھے پیدل

''اسلام کھنڈ'' میں ہے:

حارث اور ضحاک بہادر پھیلیں جدھر کو لے تلوار مار پچھاڑیں پرے اُدھر کے گریں اسوارن پر اسوار
گھوڑے بوڑ رہے لوہو میں، لوہو بوڑ رہے اسوار دھرتی بوڑ رہی لوہو میں، لولہو بوڑ رہی تلوار

(۲): المسالک والممالک، ص ۲۔

اساورة واساور ... والإسوار الأسوار الواحد من اساورة فارس وهو فارس من فرسانهم المقاتل والهاء عوض من الياء وكان اصله اساوير، وكذلك الزنادقة اصله زناديق عن الاخفش (۱)

پیٹھ پر جم کر بیٹھ سکے۔ اس کی جمع اساورہ اور اساور ہے اور اُسوار اور اِسوار اساورۂ فارس کا واحد ہے جو ان کا جنگی شہسوار ہوتا ہے اور اساورہ میں ہاء یائے کے بدلے میں ہے، گویا اس کی اصل اساویر ہے، اسی طرح زنادقہ ہے کہ اس کی اصل زنادیق ہے۔ یہی قول اخفش کا ہے۔

غرض اُسوار اور اِسوار دو طرح سے استعمال ہوتا ہے اور ایرانی فوج کے افسر، بہترین تیرانداز اور بہترین شہ سوار وغیرہ کے معنی میں آتا ہے۔ ہمارا یہ بھی خیال ہے کہ لفظ سوار جو گھوڑے کی سواری کرنے والے کے معنی میں ہے، وہ دراصل اسوار ہے۔ کثرت استعمال سے شروع کا حرف ساقط ہو گیا ہے، جیسے اسیوط اور سیوط دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور دونوں صحیح ہیں۔

اساورہ ایرانی فوج میں

اساورہ ایرانی فوج کے شہ سوار تھے اور شاہانِ ایران کی فوج میں ''جُند شاہ'' کہلاتے تھے اور جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، ہندوستان کی دو قومیں خاص طور سے شاہانِ ایران کی فوج میں شامل تھیں، ایک جاٹ اور دوسری مید۔ ان کے علاوہ ہندوستان کے سیابجہ بھی ان میں تھے اور سندھ و بلوچستان پر ایرانی قبضہ کی بنا پر ان مقامات کے لوگ بھی ان میں بھرتی تھے۔ اس طرح اساورہ میں ایرانیوں کی طرح ہندوستانی شہسوار بھی موجود تھے مگر ان کا تعلق ایرانی فوج سے تھا۔ اس لیے ان کا ہندوستانی ہونا ظاہر نہ ہو سکا ورنہ ''اساورہ فرس'' کی طرح ''اساورہ ہند'' بھی پائے جاتے تھے۔

ابن قتیبہ نے ''کتاب المعارف'' میں ایک واقعہ لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایران کا بادشاہ بہرام جور بن یزد اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں بھیس بدل کر ہندوستان چلا آیا تھا، اور معمولی آدمی کی طرح گمنامی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اتفاق سے اس نے ایک ہاتھی

(۱): لسان العرب، ج ۴، ص ۳۸۸۔

مار ڈالا اس کا تذکرہ مقامی راجا کے دربار تک پہنچا، اسی زمانہ میں اس راجا کا ایک حریف راجا حملہ کی تیاری کر رہا تھا جس سے وہ بہت پریشان تھا۔ بہرام جور نے دربار میں جا کر اپنی بہادری کا واقعہ بیان کیا اور حملہ آور راجا کے مقابلہ کے لیے اپنی خدمات پیش کیں اور جب راجا نے حملہ کیا تو بہرام جور نے ہندوستان کے اساورہ کو لے کر بڑی حکمت عملی سے مقابلہ کیا اور اسے شکست دی:

فركب بهرام في سلاحه' وقال لأساورة الهند احرسوا ظهري ثم انظروا الى عملي فيما أمامي وكانوا قوماً لايحسنون الرمي و اكثرهم رجالة (١)

بہرام اسلحہ پہن کر نکلا اور ہندوستان کے اساورہ سے کہا کہ تم میرے پیچھے پہرہ دو، پھر سامنے میرا کارنامہ دیکھو، یہ لوگ اچھی طرح تیراندازی نہیں کر سکتے تھے اور ان میں اکثر پاپیادہ تھے۔

بلکہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سیابجہ جو خالص ہندوستانی تھے، وہ اساورہ کے نام سے بھی یاد کیے جاتے تھے۔ چنانچہ شیرویہ اسواری کے مسلمان ہونے کے سلسلے میں علامہ بلاذریؒ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ:

فانضم الى الاساورة السيابجة (٢) وہ بصرہ کے اساورہ سیابجہ سے مل گیا۔

ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اساورہ میں ہندوستانیوں کی تعداد کافی تھی، مگر ایرانیوں کے غلبہ کی وجہ سے ہم ان کو شناخت نہیں کر سکتے۔ پھر اساورہ اور خالص ہندوستانی زط اور سیابجہ میں ذہن وفکر اور معاشرت کے اعتبار سے بڑی حد تک یکسانیت تھی اور یہ تینوں جماعتیں ایک ہی درخت کی شاخیں معلوم ہوتی تھیں۔ چنانچہ یہ تینوں قومیں اسلام لانے کے بعد بھی ایک دوسری سے اس طرح مل کر رہیں کہ ان کی وحدت قائم رہی۔

عہد فاروقی میں اساورہ کا اسلام لانا

عہد فاروقی میں جب عجمیوں کی شوکت ختم ہوئی تو قومیں اسلام میں داخل ہونے لگیں اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لیے ایک ساتھ ہو گئیں۔ بلاذریؒ کی ایک روایت میں

(١): کتاب المعارف طبع مصر ص ٢٩٠۔ (٢): فتوح البلدان ص ٣٦٧۔

ہے کہ اساورہ مسلمان ہونے کے بعد بصرہ کے سیابجہ اور جاٹوں کے ساتھ مل گئے، مگر بعد میں عرب قبائل نے ان کو الگ کر کے اپنے ساتھ لے لیا اور ان کی جمعیت ختم کر دی۔

فلما اجتمعت الاساورة والزط والسیابجة تنازعهم بنوتمیم فرغبوا فیهم فصارت الاساورة فی بنی سعد والزط والسیابجة فی بنی حنظلة (۱)

جب اساورہ اور جاٹ اور سیابجہ یک جا ہو گئے تو بنو تمیم نے ان کو اپنی طرف کھینچا جس کے نتیجہ میں اساورہ بنی سعد میں مل گئے اور جاٹ اور سیابجہ بنی حنظلہ کے ساتھ ہو گئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیابجہ، جاٹ اور دیلم تینوں فارس کی فوج میں تھے جن کو ایرانیوں نے قید کر کے اور اہل سند کے زمرہ میں شامل کر کے ان کا وظیفہ مقرر کیا تھا۔

فلما سمعوا بما کان من امر الاساورة اسلموا واتوا اباموسیٰ فانزلهم البصرة کما انزل الاساورة (۲)

جب ان لوگوں نے اساورہ کا حال سنا تو وہ بھی مسلمان ہو کر ابو موسیٰ کے پاس آئے۔ ابو موسیٰ نے اساورہ کی طرح ان کو بھی بصرہ میں آباد کیا۔

ان تینوں قوموں نے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کے داخلی معاملات سے الگ رہنے کا عہد و پیمان کیا تھا اور مدتوں اس معاہدہ پر کاربند رہ کر جنگ جمل و صفین وغیرہ سے الگ رہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خالص ہندوستانی نسل کے سیابجہ، جاٹوں اور اساورہ میں ہر اعتبار سے بڑی ہم آہنگی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب قومیں ایک ملک ہی کی رہنے والی ہیں۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اساورہ میں بھی ہندوستان کے سپاہیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

جیسا کہ معلوم ہوا، اساورہ ایرانی حکومت کے لیے قوت بازو تھے اور پوری مملکت میں امن و امان کا قیام، حکومت کی نگہداشت اور حکمرانی ان ہی کے بل بوتے پر ہوتی تھی۔

(۱): فتوح البلدان، ص ۳۶۷۔ (۲): ایضاً ۳۶۸۔

خود فارس کے شہروں میں بھی اساورہ کی جماعت ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں سے پہلے ایران کے حصن قزوین میں اساورہ کی بڑی جمعیت قلعہ کی حفاظت پر مامور تھی اور ان کا مقابلہ دیلم والوں سے رہا کرتا تھا۔ جب ان سے صلح رہتی تھی تو پھر یہ لوگ چوروں، ڈاکوؤں سے شہر قزوین کی حفاظت کرتے تھے۔ بلاذری کا بیان ہے:

ولم یزل فیہ لاھل فارس مقاتلۃ من الاساورۃ یرابطون فیہ فیدعون الدیلم اذالم یکن بینھم ھدنۃ ویحفظون بلدھم من متلصصھم وغیرھم اذاجری بینھم صلح (۱)

ایرانیوں کے جنگ جو اساورہ اس قلعہ کا برابر پہرہ دیتے تھے اور وہ دیلیموں کو للکارتے رہتے تھے، جب ان میں صلح نہیں ہوتی تھی، اور جب ان سے صلح ہو جاتی تو پھر وہ ان کے شہر کو چوروں ڈاکوؤں سے بچاتے تھے۔

عرب میں اساورہ کے علاقے

فارس کی طرح عرب کے ایرانی مقبوضات میں بھی ہر قسم کے معاملات کے ذمہ دار یہی لوگ تھے، جو عراق کے شہر ابلہ سے لے کر خلیج عرب کے پورے سواحل میں پھیلے ہوئے تھے، بلکہ یمن تک کا انتظام سنبھالتے تھے۔ بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے:

فانضم الی الاساورۃ السیابجۃ وکانوا قبل الاسلام بالسواحل (۲)

سیابجہ اساورہ سے مل گئے اور یہ لوگ اسلام سے پہلے ساحلی مقامات پر آباد تھے۔

"لسان العرب" میں ہے:

والاساورۃ قوم من العجم بالبصرۃ نزلوھا قدیماً کالاحامرۃ بالکوفۃ (۳)

اساورہ عجمی قوم ہیں جو قدیم زمانے میں بصرہ میں آباد ہو گئے تھے۔ جس طرح احامرہ قدیم زمانہ سے کوفہ میں موجود تھے۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عراق کا شہر ابلہ جہاں ۱۴ ہجری میں بصرہ آباد ہوا، اساورہ کا سب سے بڑا مرکز تھا اور یہ لوگ دوسرے ساحلی مقامات میں بھی بڑی تعداد

(۱): فتوح البلدان، ص ۳۱۷۔ (۲): ایضاً، ص ۳۶۷۔ (۳): لسان العرب، ج ۴ ص ۳۸۸۔

میں قدیم زمانہ سے موجود تھے۔

صرف ابلہ میں اسلام سے پہلے اساورہ کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب ۱۵ ہجری میں حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ادھر کا قصد کیا تو اس وقت پانچ سو اساورہ شہر ابلہ کی حفاظت کرتے تھے۔ تاریخ طبری میں ہے:

وبالا بلة خمسمائة من الاساورة يحمونها و كانت مرفأ السفن من الصين ومادونها (۱)

ابلہ میں پانچ سو اساورہ تعینات تھے جو اس کی حفاظت کرتے تھے۔ ابلہ، چین اور اس کے علاوہ ملکوں کے جہازوں کی بندرگاہ تھا۔

اور کامل ابن اثیر میں ہے:

اقام نحو شهر فخرج اليه اهل الا بلة، وكان خمسمائة اسوار يحمونها (۲)

حضرت عتبہ تقریباً ایک ماہ تک فوج لے کر ٹھہرے رہے اور ابلہ کے پانچ سو محافظ اساورہ ان کے مقابلے کے لیے نکلے۔

بلکہ یہاں کا حاکم ہرمز جو خود بھی اسوار تھا، اساورہ کو لے کر ہندوستان اور عرب میں جنگ کرتا تھا۔

فكان صاحبه اسوار اسمه هرمز يحارب العرب في البر والهند في البحر (۳)

یہاں کا حاکم ہرمز نامی ایک اسوار تھا جو خشکی میں عربوں سے اور سمندر میں ہندوستان سے جنگ کرتا رہا۔

چنانچہ کسریٰ انوشیرواں نے اپنی حکومت کے دور میں ان ہی فوجوں کے ذریعہ سرندیپ پر حملہ کرایا تھا اور اس کی فوجوں نے وہاں کے راجا کو قتل کر کے بہت سا مال کسریٰ کے پاس بھیجا تھا، (ابن خلدون ج ۱، ص ۱۷۷) ظاہر ہے کہ ہندوستان پر حملہ کرنے کی صورت میں ایرانی اساورہ کی طرح ہندوستانی اساورہ بھی شریک ہوتے رہے ہوں گے بلکہ ہندوستانیوں کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا پڑا ہوگا۔

اساورہ اور دوسرے ہندوستانیوں کی کثرت کی وجہ سے ابلہ کا شہر ارض الہند اور

(۱): تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۵۰۔ (۲): کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۸۹۔ (۳): کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۷

فرج الہند والسند کے لقب سے مشہور تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت میں جب حبشہ کے بادشاہ ابرہہ کے دوسرے بیٹے مسروق بن ابرہہ نے یمن پر قبضہ کیا اور وہاں کا عرب بادشاہ سیف بن ذی یزن حمیری کسریٰ انوشیرواں کے دربار میں مدد کا طالب ہوا تو اس نے اپنے آٹھ سو قیدیوں کو دہرز نامی ایک اسوار کی زیر قیادت آٹھ کشتیوں میں سوار کر کے یمن روانہ کیا، جن میں سے دو کشتیاں سمندر میں ڈوب گئیں اور باقی ایرانی ساحل حضرموت پر اترے اور یمن پر قبضہ کیا۔

نقوّد علیهم قائداً من اساورة یقال له دهرز، وقیل بل کان من اهل السجون سخط علیه کسریٰ لحدث احدثه فحبسه وکان یقید بالف اسوار (۱)

اور کسریٰ نے ان پر ایک فوجی افسر دہرز نامی کو مقرر کیا۔ ایک قول ہے کہ دہرز قیدیوں میں سے تھا، اسے کسریٰ نے ایک جرم میں گرفتار کر کے قید کر دیا تھا۔ یہ شخص ایک ہزار اسوار کی قیادت کرتا تھا۔

یمن کے ابناء اساورہ کی اولاد ہیں

یمن پر ایران کا قبضہ ہو جانے کے بعد یہاں کسریٰ انوشیروان کے نائب رہنے لگے اور اسی زمانہ سے پورے یمن میں اساورہ کا عمل دخل ہو گیا اور یہاں ان کی جو نسل پھیلی اور بڑھی ان کو عرب اپنی اصطلاح میں ”ابناء“ کہنے لگے۔ اس طرح یمن کے اساورہ کی اولاد ابنائے یمن کہلائی، جن میں اہل فارس کی طرح اہل ہند کی اولاد بھی شامل رہی ہو گی۔ مگر جس طرح اساورہ کے جامع لفظ سے ہم ہندوستانی سواروں کو نہیں نکال سکتے، اسی طرح ان ابنائے یمن سے ہندوستانی سپوتوں کو الگ نہیں کر سکتے۔ اگر یہ عقدہ حل ہو جاتا تو ایران کے بہت سے اسلامی مفاخر ہندوستان کے حق میں نظر آتے اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا ابتدائی باب دوسرے ہی انداز میں لکھا جاتا۔

عرب میں اساورہ کا اقتدار

عہد رسالت میں اساورہ عراق سے لے کر یمن اور ساحلی مقامات میں بکھرے

(۱): کامل ابن اثیر ج ۱، ص ۵۸۔

ہوئے تھے اور جگہ جگہ کسریٰ کی زیر نیابت حکومت کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے الاستیعاب میں حضرت ابوشداد زماری حمانیؓ سے روایت کی ہے کہ ہمارے یہاں عمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت نامہ آیا جو چمڑے پر لکھا ہوا تھا۔ ہمارے یہاں کوئی آدمی اس خط کا پڑھنے والا نہیں ملتا تھا۔ آخر میں ایک لڑکے نے اسے پڑھ کر ہمیں سنایا۔ راوی کا بیان ہے:

فقلت فمن كان يومئذ على عمان قال اسوار من اساورة كسرىٰ (۱)

میں نے ابو شداد سے دریافت کیا کہ اس وقت عمان کا حاکم کون تھا؟ انہوں نے بتایا کہ کسریٰ کا ایک اسوار حکومت کرتا تھا۔

یمن میں اساورہ کی بڑی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھی، چنانچہ کسریٰ کے مرنے کے بعد یمن کے ایرانی حکمران حضرت باذان رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اسلام کی اطلاع دی اور جب وہ بیمار ہوئے اور زندگی سے مایوس ہو گئے تو اپنے تمام اساورہ کو جو اس وقت موجود تھے، بلا کر اسلام قبول کر لینے کی وصیت کی۔

فاجتمعت له اساورة، فقال (فقالو) من نؤمر علينا؟ فقال اتبعوا هذا الرجل، وادخلوا في دينه واسلموا (۲)

اساورہ نے ان کے پاس جمع ہو کر کہا کہ آپ کے بعد ہم کس کو اپنا امیر و حاکم بنائیں؟ تو باذان نے کہا تم لوگ اس آدمی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کر کے اس کے دین میں داخل ہونا اور اسلام قبول کر لینا۔

غالباً یہ تمام اساورہ حضرت باذانؓ کی وفات کے بعد عہد رسالت میں مسلمان ہو گئے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مقدسہ میں ان کا انتظام حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا تھا۔ تاریخ طبری میں ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه　رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے

(۱): اصابہ ج ۴، ص ۱۰۵، و استیعاب برحاشیہ، اصابہ ج ۴، ص ۱۰۷۔ (۲): السیرة المحمدیہ والطریقة الاحمدیہ فی ذکر کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ابرویز بن ہرمز انوشیروان۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

وسلم توفی وقد فرق فیھم عماله فکان الزبرقان بن بدر علی الرباب و عوف، والابناء فیما ذکر السریٰ (۱)

پہلے ہر طرف اپنے عمال مقرر فرما دیے تھے۔ چنانچہ زبرقان بن بدر قبیلہ رباب، قبیلہ عوف اور ابناء یمن کے حاکم تھے، جیسا کہ سری نے بیان کیا ہے۔

اسواری جال علم وفن

یمن کے یہ ابناء اساورہ نسل سے تھے اور عرب ان کو اس خاص لقب سے یاد کرتے تھے۔ علامہ ابن سعد نے طبقات میں اہل یمن کے تذکرے میں خاص طور سے ابنائے یمن کی تصریح کی ہے کہ کون کون بزرگ ابناء میں سے تھے۔

اسی طرح مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت میں شمار فرمایا ہے، ایک قول کی رُو سے اساورہ ہی میں سے تھے۔ اصطخری نے لکھا ہے:

ویقال ان سلمان الفارسی من ولدالاساورۃ (۲)

ایک قول یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ اساورہ کی اولاد سے تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔

مولانا محمد کرامت علی بن محمد حیات علی دہلوی موسوی اسرائیلی شافعی گزشتہ صدی کے بہت بڑے عالم و محدث تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے، حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی، مولانا فضل امام خیر آبادی اور مولانا اسماعیل دہلوی سے تعلیم حاصل کی اور حضرت شاہ اسحٰق صاحب سے حدیث کی سند لی۔ مدتوں دہلی میں درس دیا پھر حیدر آباد گئے اور ۱۲۷۷ھ میں وہیں وفات پائی۔ ان کی کتاب السیرۃ المحمدیہ والطریقۃ الاحمدیہ عربی زبان میں سیرت نبویہ کی اہم کتابوں میں ہے، جسے موصوف نے ''سیرت حلبیہ'' اور احادیث و سیر کی بہت سی مستند کتابوں سے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب بڑے سائز کے چھ سو صفحات پر (ہر صفحہ میں ۳۵ سطریں ہیں) چھپی ہے۔ طباعت نہایت اعلیٰ اور قدیم ہے۔ تعجب ہے کہ ہندوستان میں سیرت نبوی پر عربی زبان میں اتنی اہم اور اس قدر ضخیم و مستند کتاب لکھی گئی مگر آج علماء اس سے تقریباً بے خبر ہیں، اس پر نہ سنہ طباعت ہے نہ مطبع کا نام ہے، نہ صفحات پر ہندسے ہیں۔

(۱): مسالک الممالک، ص ۹۴۔ (۲): مسالک الممالک، ص ۹۴۔

بعد میں اساورہ میں بڑے بڑے علمائے اعلام اور رجالِ اسلام پیدا ہوئے۔ ان ہی میں معتزلی عالم موسیٰ بن سیار اسواری بھی ہیں، جن کے بارے میں جاحظ نے کہا ہے کہ وہ دنیا کے عجائب میں سے تھے، عربی اور فارسی زبانوں کے یکساں ماہر تھے، ان کی علمی مجلس میں دائیں طرف عرب اور بائیں طرف عجمی بیٹھتے تھے اور جب وہ قرآن کی ایک آیت پڑھتے تو عربوں کے لیے عربی زبان میں اور عجمیوں کے لیے فارسی زبان میں اس کی تفسیر بیان کرتے تھے۔

عربی شاعری میں اساورہ کا ذکر

اساورہ چونکہ جنگجو اور جنگ آزما تھے، اس لیے ان کا تذکرہ شعرائے عرب نے اسی وصف کے ساتھ کیا ہے اور جاہلی دور سے لے کر اسلامی دور تک کی شاعری میں ان کا ذکر اسی انداز میں موجود ہے۔ نابغہ ذبیانی کہتا ہے:

فظل فی سبعة منها لحقن به یکرّ بالروق فیها کرّ اسنوار (۱)

وہ اپنے دس کتوں میں سے سات کے ساتھ رہا (تین مار ڈالے گئے)

ایک اور شاعر کہتا ہے:

فجئنابحی وائل وبلفّها وجاء ت تمیم زطها والاساور (۲)

(ہم وائل کے دونوں قبائل اور اس کے آدمیوں کو لائے اور بنو تمیم جاٹوں اور اساورہ کو لائے)

عبداللہ بن عوہم کا قول ہے:

ویغنی الزط عبدالقیس عنا وتکفینا الاساورة المزوفا (۳)

(قبیلہ عبدالقیس کے لیے ہماری طرف سے جاٹ کافی ہیں اور ہمارے لیے اساورہ کافی ہیں)

ایک اور شاعر کہتا ہے:

ووتّر الاساور القیاسا صغدیة تنتزع الانفاسا

(اور اساورہ نے صغدی کمانیں سنبھال لیں جو کہ سانس کھینچ لیتی ہیں۔)

(۱): جمہرۃ اشعار العرب ص ۵۵۔ (۲): لسان العرب ج ۷، ص ۳۰۸۔
(۳): ایضاً ج ۴، ص ۳۸۸۔

بیت اذا ابدی بروق کانھا سیوف زخوف جرتھا الاساور

(اس کی رات یوں بسر ہوئی کہ جب بجلیاں چمکتی تھیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گھمسان کے رن کی تلواریں ہیں جن کو اساورہ نے نیاموں سے نکالا ہے)

حضرت حارث بن سمی بن رداس ہمدانی مرہبیؓ جو جنگ قادسیہ میں شریک تھے، ان کا قول ہے:

اقدم اخافھم علی الاساورۃ ولاتھالن لرووس نادرۃ (۱)

میں ان کو ڈراتا دہلاتا ہوا اساورہ پر حملہ کر کے بڑھ رہا تھا اور تم گرتے ہوئے سروں سے نہ ڈرو۔

اسی طرح عربی اشعار وادبیات میں اساورہ کے تذکرے ملتے ہیں، جن میں ان کی بہادری، جنگ آزمائی اور شوکت کا بیان ہے۔

بیاسرہ

بیاسرہ کا واحد بیسر اور بیسری استعمال ہوتا ہے۔ یہ بھی ہندوستان کی ایک قوم ہے جو عرب میں پائی جاتی تھی اور یہ لوگ بھی سیابجہ کی طرح عربوں کے جہازوں اور کشتیوں کی نگرانی وحفاظت کیا کرتے تھے، تاکہ سمندری لٹیروں اور خاص کر ہندوستان کے مید سے ان کو محفوظ رکھیں، ان کا پیشہ یہی تھا؛ ''لسان العرب'' میں ہے:

والبیاسرۃ قوم بالسند وقیل جیل من السند یواجرون انفسھم من اھل السفن لحرب عدوھم ورجل بیسری (۲)

بیاسرہ سندھ کی ایک قوم ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سندھ کا ایک طبقہ ہے جو جہازوں کے مالکوں کے پاس اجرت پر رہتا تھا تاکہ ان کے بحری دشمنوں سے جنگ کرے، اس کا واحد بیسری ہے۔

بیاسرہ کی تحقیق

جاحظ نے بھی ایک مقام پر بیاسرہ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو سندھ اور ہند کا باشندہ

(۱): اصابہ ج ۱، ص ۳۶۸۔ (۲): لسان العرب، ج ۴، ص ۵۸۔

اوران کا وہی پیشہ بتایا ہے:

البیسری جیل من الھند والسند تستاجرھم النواخذۃ لمحاربۃ العدو

بیسری سندھ اور ہندوستان کا ایک گروہ ہے جن کو ناخدا دشمنوں سے لڑنے کے لیے اجرت پر رکھا کرتے تھے۔

پھر نہایت تفصیل سے بیاسرہ کے متعلق لکھا ہے کہ ہم نے بیسری لوگوں کو دیکھا ہے۔ بیسری وہ ہے جو سفید نسل یعنی عربی مرد اور ہندی نسل یعنی ہندی عورت سے پیدا ہوتا ہے۔ ایسا آدمی اپنے والدین کی جسامت وقوت کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ ان سے زیادہ حسین وجمیل ہوتا ہے۔ عرب ایسے پانی کو بھی بیسر کہتے ہیں جس میں کھاری پن آجائے۔ سفید مرد اور ہندوستانی عورت کے اختلاط سے پیدا ہونے والے کو بیسری کہا جاتا ہے۔ سفید مرغ اور ہندی مرغی کے اختلاط سے جو مرغی پیدا ہوتی ہے وہ بھی بیسری کہلاتی ہے۔

اصل میں بسر کے لغوی معنی مخلوط کرنے اور ملانے کے ہیں، لسان العرب میں ہے:

وبسر التمر یبسُرُ بسرا، وبسرہ اذا نبذ فخلط البسر بالتمر (۱)

بَسر اور بُسْرَ کے معنی ادھ پکی کھجور کو پکی کھجور کے ساتھ ملانے کے ہیں۔

نیز بسار گرمی کے زمانہ کی وہ موسلا دھار بارش ہے جو سندھ کے بیاسرہ کے یہاں ہوتی تھی اور ایک گھڑی کے لیے بھی نہیں تھمتی تھی۔ ''لسان العرب'' ہی میں ہے:

والبسار مطر یدوم علی اھل السند فی الصیف، ولا یقلع عنھم ساعۃً فتلک ایام البسار، وفی المحکم البسار مطر یوم فی الصیف یدوم علی البیاسرۃ ولا یقلع (۲)

بسار وہ بارش ہے جو سندھ کے باشندوں کے یہاں گرمی کے زمانہ میں لگاتار ہوتی ہے اور ایک گھڑی کے لیے بھی بند نہیں ہوتی، ایسے زمانہ کو ایام بسار کہتے ہیں۔ محکم میں ہے کہ بسار گرمی کے زمانہ میں ایک دن کی بارش ہے جو بیاسرہ کے یہاں لگاتار ہوتی رہتی ہے اور ذرا بھی بند نہیں ہوتی۔

---

(۱): لسان العرب ج ۴، ص ۵۸۔ (۲): ایضاً۔

سواحل ہند کے دس ہزار بیاسرہ

ایک خیال یہ بھی ہے کہ بیسر ہندوستانی لفظ ہے، جو یہاں کے دو الفاظ سے مرکب ہے ایک ''بے'' جس کے معنی گجرات کی زبان میں دو کے ہیں، اور دوسرا ''سر'' جس کے معنی ذات اور شخص کے ہیں۔ اس لیے بیسر کے معنی وہ شخص ہے جو دو نسل سے تعلق رکھتا ہو، یعنی جس کا باپ عربی اور ماں ہندی ہو۔ میں نے ''رجال السند والہند'' میں یزید بن عبداللہ قریشی بیسریؒ کے ذکر میں اسی توجیہہ کو اختیار کیا ہے۔ مشہور مؤرخ و سیاح مسعودی جس نے سنہ ۳۰۳ ہجری میں تھانہ بھڑوچ سوپارہ اور چیمور (بمبئی) وغیرہ کا سفر کیا تھا، چیمور میں دس ہزار کے قریب بیاسرہ کے آباد ہونے کا ذکر کیا ہے۔ وہ لفظ بیاسرہ اور بیسر کی یہ تحقیق کرتے ہیں:

ومعنى قولنا البياسرة يرادبه من ولد من المسلمين بارض الهند يدعون هذا اللقب واحدهم بيسر و جمعهم بياسر (۱)	بیاسرہ سے مراد وہ مسلمان ہیں جو سرزمین ہند میں پیدا ہوئے ہوں، ایسے لوگوں کو اس لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ واحد بیسر اور جمع بیاسر ہے۔

بیاسرہ کے عرب میں قدیم زمانہ سے آباد ہونے یا عہد رسالت میں پائے جانے کی تاریخ شہادت مجھ کو نہیں مل سکتی۔ خیال رہے کہ یہ قوم ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے اور یہاں مقیم ہونے کے بعد باہمی میل جول اور رشتۂ مناکحت سے پیدا ہوئی ہے۔ اس لیے اس قوم کی پیدائش ہندوستان ہی میں ہوئی ہے اور ہندوستان کے ساحلی مسلمانوں کی بڑی تعداد ان ہی بیاسرہ کی اولاد سے ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ان کا تعلق بھی عرب اور دیگر اسلامی ممالک سے رہا ہے اور یہ لوگ بعد میں یہاں سے باہر بھی جا کر آباد ہوئے۔

بعض بیسری علماء

بعد میں بیاسرہ میں بھی علماء و محدثین پیدا ہوئے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم رازی نے

(۱): مروج الذہب بحوالہ رجال السند والہند، ص ۲۶۸۔

''کتاب الجرح والتعدیل'' میں ایک محدث یزید بن عبداللہ قرشی بیسری کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے عمر بن محمد عمریؒ سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے علی بن ابی ہاشم طبراخ نے روایت کی ہے۔(۱)

تکاکرہ (ٹھاکر)

تکاکرہ، تکری یا تاکُر (ٹھاکر) کی جمع ہے۔ یہ قوم خالص ہندوستانی ہے، جن کی بہادری اور جوانمردی عربوں میں بھی مسلم تھی۔ ''لسان العرب'' میں ہے:

التکّری القائدمن قواد السند والجمع تکاکرۃ، الحقوا الهاء للعجمه ... و فی التهذیب الجمع تکاکرۃ (۲)

تکری سند کے جنگی افسروں میں سے ایک کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع تکاکرہ ہے اور آخر میں ہاء کو عجمیت کی وجہ سے لگا دیا گیا ہے اور تہذیب میں ہے کہ اس کی جمع تکاکرہ ہے۔

محمد بن قاسم سے ٹھاکروں کی جنگ

ہندوستان کے ان ٹھاکروں کا تذکرہ اسلامی تاریخوں میں محمد بن قاسمؒ کے سندھ پر حملے اور یہاں راجا سے جنگ کے سلسلے میں ملتا ہے۔ اس سے پہلے مجھے اس قوم کا تذکرہ نہیں مل سکا۔

''فتوح البلدان'' میں ہے کہ جب محمد بن قاسمؒ نے مہران (دریائے سندھ) کو عبور کرکے کچھ کے راجا راسل اور راجہ داہر کا تعاقب کیا تو راجا اپنے ٹھاکروں کو لے کر مقابلہ میں آیا، اور انہوں نے جان توڑ جنگ کی۔

ولقیه محمد والمسلمون، وهو علی فیل وحوله الفیلة ومعه التکاکرہ فاقتتلوا قتالاً شدیداً، لم یسمع بمثله (۳)

راجا سے محمد بن قاسم اور مسلمان اس حال میں ملے کہ وہ ہاتھی پر سوار تھا اور اس کے اردگرد ہاتھیوں کے جھنڈ تھے اور اس کے ساتھ ٹھاکر بھی تھے۔ انہوں نے ایسی جنگ کی کہ اس کی مثال سننے میں نہیں آئی۔

---

(۱): رجال السند والہند، ص ۲۶۸ (۲): لسان العرب، ج ۲، ص ۹۲۔

(۳): فتوح البلدان ص ۴۲۶

عربی شاعری میں تکا کرہ کا ذکر

غالبًا ان ہی ایام کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک عرب شاعر نے ان ٹھاکروں کے مقابلہ میں اپنی بہادری کا یوں ذکر کیا ہے:

لقد علمت تكاتره ابن تيرى غداة البُدّ انى هبرزى

ابن تیری کے ٹھاکروں نے بت خانہ کے واقعہ کی صبح کو سمجھ لیا کہ میں شیر ہوں

تہذیب میں اس شعر میں تکاترہ کے بجائے تکا کرہ ہے۔ لقد علمت تکاکرۃ (۱)

بیاسرہ کی طرح تکا کرہ کا ذکر بھی قدیم عرب میں نہیں مل سکا۔ اس لیے خیال ہے کہ یہ بھی عہد رسالت میں عرب میں موجود نہیں تھے۔ بیاسرہ اور تکا کرہ کو میں نے صرف استیعاب کے لیے لیا ہے، ورنہ ان دونوں کا تعلق اس مخصوص اور محدود موضوع سے نہیں ہے۔

=====

(۱): لسان العرب ج ۲، ص ۹۲۔

عرب میں ہندوستانیوں کی بستیاں

ہندوستان کے شمال و مغرب کے ساحلی مقامات اور عرب کے شمال و مشرق کے ساحلی مقامات ایک دوسرے کے سامنے واقع ہیں۔ درمیان میں بحر ہند (جسے بحر عرب اور بحر فارس بھی کہتے ہیں) حائل ہے۔ اسی سمندر کے ذریعہ دونوں ممالک میں تاریخ کے قدیم دَور سے تعلقات چلے آ رہے ہیں اور دونوں کے ساحلی علاقے ایک ملک کے دو علاقے کی حیثیت سے رہے ہیں۔ عرب و ہند کے قدیم تعلقات ابتدا میں صرف تجارتی اور معاشی تھے مگر بعد میں فکری، تمدنی اور ثقافتی تعلقات بھی پیدا ہو گئے بلکہ تجارتی و اقتصادی تعلق کو فکری اور ثقافتی تعلق نے اور زیادہ مضبوط کر دیا۔

اس کے باوجود قدیم تاریخ میں ہندوستان کے کسی ساحلی یا غیر ساحلی مقام پر عربوں کی آبادی کا پتہ نہیں چلتا جو یہاں آ کر مستقل طور سے آباد ہو گئے ہوں، حالانکہ عرب کے مقابلہ میں ہندوستان ہر اعتبار سے ترقی یافتہ ملک تھا اور عربی زندگی کے مقابلہ میں یہاں کی زندگی میں رنگینی اور دل فریبی زیادہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر ہندوستان آتے اور تجارتی مقصد پورا کر کے واپس چلے جاتے تھے اور اپنی آزاد عربی زندگی پر اس کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ عرب زندگی ان کے لیے بہت ہی دل فریب اور خوش گوار تھی۔ ہندوستان میں سب کچھ ہونے کے باوجود ان کو یہاں وہ کھلی ہوا اور آزاد فضا میسر نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں ہمیں کسی قدیم عرب آبادی کا پتہ نہیں چلتا ہے اور نہ یہاں پر عربوں کے بہت زیادہ دنوں تک ٹھہرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں

ہندوستان کے ایسے باشندے عرب میں کثرت سے ملتے ہیں جو وہاں جا کر مستقل طور پر رہ بس گئے اور ہندوستان کی قومیت و وطنیت چھوڑ کر عرب کے باشندے ہو گئے اور ان کو عربوں نے عربی زندگی میں اس طرح ضم کر لیا کہ وہ بالکل عرب بن کر رہ گئے۔ ہندوستانیوں کے ساتھ عربوں کے اس حسن سلوک اور رواداری کی وجہ ان کی فطری وسعت قلب اور مہمان نوازی تھی جو دورِ جاہلیت میں بھی ان کی امتیازی صفت تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ عربوں کو گھر بیٹھے ان ہندوستانیوں کے ذریعہ ضروریات زندگی کی چیزیں مل جاتی تھیں اور ان کو ان کے لیے ہندوستان کا بحری سفر نہیں کرنا پڑتا تھا۔ ابتدا میں بہت سے ایسے ہندوستانی باشندے عرب میں جا کر آباد ہو گئے جو تاجر تھے اور عربوں کی ضرورت کا سامان ان کے میلوں اور بازاروں میں لے جا کر فروخت کرتے تھے۔ ان تاجروں کو عرب بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور نہ صرف یہ کہ ان کو لوٹتے مارتے نہیں تھے بلکہ ان کی حفاظت کر کے حق جوار کا پورا لحاظ کرتے تھے۔ چنانچہ عرب کے کئی بڑے قبائل نے ایسے ہندوستانی باشندوں کو اپنی "ولاء" میں لے لیا تھا اور ان کو وہ اپنے قبیلہ کا فرد شمار کرتے تھے۔ پھر چونکہ ہندوستان کے لوگ بت پرستی میں جاہلی عرب کے تقریباً ہم مشرب تھے، اس لیے اور بھی دونوں ملکوں میں تعلقات استوار ہوئے۔ چنانچہ عرب کے یہود و نصاریٰ کے علاوہ مشرک، مجوسی، صابئہ وغیرہ ہندوستانیوں کو اپنا ہم مشرب گردانتے تھے اور بت پرستی اور دوسرے عقائد و اعمال میں بڑی حد تک ہم رنگ تھے۔ اس لیے آپس میں مذہبی اختلاف بھی نہیں تھا۔ اسی طرح بہت سے عادات و خصائل اور رسوم و رواج میں عرب اور ہندوستانی تقریباً متفق و متحد تھے، اس لیے ہندوستان کے باشندے عرب میں بڑی آسانی سے کھپ گئے۔

مشرق و جنوبی سواحل میں

عربوں اور ہندوستانیوں کے تعلقات کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ ایران کے بادشاہ بلوچستان، سندھ اور سرندیپ وغیرہ پر قابض تھے اور ان علاقوں کے ہندوستانی باشندے جاٹ اور میڈ وغیرہ ایرانی فوج میں شامل ہو کر عرب کے ایرانی مقبوضات میں آباد ہو گئے تھے۔ اس طرح عراق کے اہم ایرانی مقبوضہ ابلہ (بصرہ) سے لے کر یمن تک

ایرانی فوجوں کی طرح یہ بھی پھیلے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے عرب کے جنوبی اور مشرقی سواحل پر ہندوستانی باشندوں کی بہت بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی اور وہاں کی ملکی اور قومی زندگی میں ان سے شدید خطرات محسوس ہونے لگے تھے۔ چنانچہ یمن پر جب حبشیوں نے قبضہ کیا تو وہاں ہندوستان کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب یمن کے سابق عرب حکمران سیف بن ذی یزن نے ایران کے بادشاہ کسریٰ انوشیرواں کے دربار میں پہنچ کر اپنا حال بیان کیا اور اجنبی لوگوں کے غلبہ کا واقعہ سنایا تو کسریٰ انوشیرواں نے سیف بن ذی یزن سے پوچھا کہ تمہارے ملک پر کن اجنبی لوگوں نے قبضہ کیا ہے؟ وہ حبشی ہیں یا سندھی۔

فقال ایھا الملک غلبتنا علیٰ بلادنا الاغربة، فقال لہ کسریٰ ایی الاغربة الحبشة ام السند، فقال بل الحبشة (۱)

سیف نے کہا، اے بادشاہ! ہمارے ملک پر اجنبی لوگ غالب آ گئے ہیں، کسریٰ نے پوچھا کون اجنبی، حبشی یا سندی؟ تو یوسف نے کہا سندی نہیں بلکہ حبشی غالب آ گئے ہیں۔

تاریخ طبری کی ایک روایت میں ہے:

قال ایھا الملک ان السودان قد غلبونا علی بلادنا ورکبوا منا اموراً اشنعة اجل الملک عن ذکرھا، الخ (ص ۱۱۷)

سیف نے کہا اے بادشاہ! کالے لوگوں نے ہمارے ملک پر غالب آ کر ہمارے ساتھ نہایت برا برتاؤ کیا ہے جن کا تذکرہ بادشاہ کے سامنے مناسب نہیں ہے۔

قال قد علمت ان بلادکم کما وصفت فای السودان غلبوا علیھا الحبشة ام السند (۲)

یہ سن کر کسریٰ نے کہا ہاں تمہارا ملک بہت ہی زرخیز اور اچھا ہے۔ بتاؤ کن کالے لوگوں نے ان پر غلبہ حاصل کیا ہے؟ حبشی یا سندھی؟

---

(۱): سیرت ابن ہشام طبع جدید مصطفیٰ، محمد مصر، ج ۱، ص ۶۳ و کتاب التیجان کلبی، طبع حیدر آباد ص ۳۰۴ و تاریخ طبری ج ۲، ص ۱۱۶، مطبع حسینیہ مصر۔ (۲): تاریخ طبری مطبع حسینیہ مصر ج ۲، ص ۱۱۸۔

اس گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد عرب کے مشرقی اور جنوبی علاقوں میں کس قدر ہندوستانی موجود تھے اور ان کو کتنی شوکت و قوت حاصل تھی۔ یہ واقعہ آپ کی ولادت کے بعد کا ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سال بعد کا ہے۔ ولادتِ نبوی کے بعد ۵۷۵ء میں یمن پر ایران کا قبضہ ہوا (۱) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۵۷۱ء میں ہوئی ہے۔ یمن پر مسروق بن ابرہہ نے چڑھائی کی تھی، جس کے باپ ابرہہ نے اپنے دورِ حکومت میں کعبہ پر فوج کشی کی تھی اور اس واقعہ کے ۵۵ دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ (۲) سیف بن ذی یزن کی فریاد پر کسریٰ انوشیرواں نے یمن پر اپنی فوج بھیج کر قبضہ کیا اور عراق سے لے کر یمن تک کا علاقہ اپنے قلم رَو میں شامل کر لیا۔

یمن میں

جیسا کہ معلوم ہوا یمن اور اس کے اطراف میں پہلے ہی سے سندھیوں کی بڑی جمعیت موجود تھی اور ان کو قوت و شوکت حاصل تھی۔ انوشیرواں کے یمن پر قبضہ کے بعد عرب میں ہندوستانیوں کی اور بھی کثرت ہوگئی اور اساورہ (شہسواران ایران) میں شامل ہونے کی وجہ سے انہوں نے وہاں کے ملکی اور سیاسی معاملات میں حصہ بھی لیا۔

امام ذہبی نے "تجرید اسماء والصحابہ" میں یمن کے آخری ایرانی حکمران کا نام، جو حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان ہو گئے تھے باذان ؓ ملک الہند لکھا ہے، (۳) مگر حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں اس کی تصنیف کی ہے اور اس کی جگہ ملک الیمن کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۴) اس پر مفصل بحث اپنے مقام پر آئے گی۔ اسی طرح یمن میں کسریٰ کے زمانہ سے ایک ہندوستانی بزرگ بیرزطن ہندی موجود تھے جو عہدِ رسالت میں مسلمان ہوئے تھے۔ انہوں نے یمن کے اطراف میں حشیش القنب (بھنگ) کو بطور دوا متعارف کرایا تھا اور علاج و معالجہ میں اس کو رواج دیا تھا۔ (۵) غالباً یہ طبیب تھے۔ ان کے حالات اپنے

(۱): تاریخ العرب حتی، طبع مصر ص ۸۶۔ (۲): رحمۃ اللعالمین ج ۱ حاشیہ۔ (۳): تجرید اسماء الصحابہ، ج ۱، ص ۴۵، طبع حیدرآباد۔ (۴): الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج ۱، ص ۱۷۹۔ (۵): الاصابہ، ج ۱، ص ۱۷۸۔

مقام پر آئیں گے۔

یمن قدیم زمانہ سے ہندوستانی مال کی بہت بڑی منڈی تھا اور یہاں ہندوستان کے تاجر ہمیشہ آتے جاتے رہتے تھے۔ ''فجر الاسلام'' کے مصنف نے لکھا ہے:

و کان لسکان الیمن قدیما علاقات بالھند و الشرق الادنی (۱)	قدیم زمانہ سے یمن کے باشندوں کے تعلقات ہندوستان اور مشرق ادنی سے قائم تھے۔

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر ہے:

و کانت التجارۃ قدیما فی یدالیمنیین و کانوا ھم العنصر الظاھر فیھا فعلی یدھم کانت تنقل غلات حضرموت وظفار، و واردات الھند الی الشام و مصر (۲)	قدیم زمانہ سے تجارت اہل یمن کے ہاتھ میں تھی اور اس میں یہی لوگ غالب نظر آتے تھے۔ ان ہی کے ہاتھوں حضرموت وظفار کی پیداوار اور ہندوستان کی اشیاء شام اور مصر جاتی تھیں۔

ان تصریحات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ یمن کا پورا علاقہ ہندوستان کے تاجروں سے آباد تھا اور ان کی بڑی تعداد وہاں تجارت میں مشغول تھی۔

عراق میں

جس طرح یمن کے حدود میں ہندوستانیوں کی کثرت تھی، اسی طرح عرب کے شمال مشرق اور عراق میں قدیم زمانہ سے ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ رہتے تھے۔ عراق کا مرکز شہر ابلہ چین، ہندوستان اور ایران وغیرہ کے تجارتی جہازوں کی بہت بڑی بندرگاہ تھا اور اسے ہندوستان سے بہت پرانا اور بہت گہرا تعلق تھا، جس کی وجہ سے عرب اسے ارض الہند اور فرج السند والہند کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ شاہان ایران ابلہ پر قبضہ کرکے ایک طرف خشکی کے راستہ سے عرب پر حملہ آور ہوئے تھے اور دوسری طرف بحری راستہ سے

(۱): فجر الاسلام، ج۱، ص۱۳۔ (۲): ایضاً

ہندوستان پر حملہ کرتے تھے۔ تاریخ طبری، واقعات ۱۲ھ میں ہے:

وکان فوج الهند اعظم فروج فارس شاناً واشدها شوكة وكان صاحبه يحارب العرب في البر والهند في البحر (۱)

اور فرج الہند (ابلہ) ایرانیوں کے بڑے اہم مرکزوں میں تھا، یہاں ان کو بڑی شان و شوکت حاصل تھی، یہاں کا حاکم خشکی میں عرب سے اور سمندر میں ہندوستان سے جنگ کیا کرتا تھا۔

ظاہر ہے کہ ان بری اور بحری حملوں میں ہندوستان کے وہ جاٹ اور مید ضرور شامل ہوتے ہوں گے جو شاہانِ ایران کی فوج میں قدیم زمانہ سے موجود تھے۔ خاص طور سے ہندوستان پر حملہ کی صورت میں ان کو اپنی خدمات پیش کرنے کا بہترین موقع ملتا رہا ہو گا۔

عراق سے ہندوستان پر ایرانیوں کے بحری حملہ کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت تک جاری رہا۔ چنانچہ کسریٰ انوشیرواں نے یمن پر قبضہ کرنے کے بعد ہی ہندوستان پر بڑا زبردست حملہ کیا اور سرندیپ کو تہ و بالا کر کے یہاں سے بے شمار دولت حاصل کی۔ امام طبریؒ نے اس حملہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے:

فلما دانت لكسرىٰ بلاد اليمن وجه الى سرنديب من بلاد الهند وهي ارض الجواهر قائداً من قواده في جند كثيف فقاتل ملكها فقتله واستولى عليها، وحمل الى كسرىٰ منها اموالا عظيمة وجواهراً كثيرا (۲)

جب بلادِ یمن کسریٰ کے مطیع ہو گئے تو اس نے ہندوستان کے شہر سرندیپ پر (جو جواہرات کا ملک ہے) اپنے ایک فوجی افسر کو بھاری لشکر کے ساتھ بھیجا جس نے راجا کو قتل کر کے ملک پر قبضہ کر لیا اور وہاں سے کسریٰ کی خدمت میں زر و جواہر اور مال و دولت بھاری مقدار میں بھیجا۔

---

(۱): تاریخ طبری، ج ۴، ص ۵ و نیز کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۱۴۷۔ (۲): تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۴۴، اور تاریخ ابن خلدون، ج ۱، ص ۱۷۷۔ طبع مصر۔

ہندوستان کے جاٹ اور مید ایرانیوں کی ان مہمات میں اپنی خدمات پیش کرتے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''عربوں اور ہندوؤں کے درمیان تعلقات کا ایک اور ذریعہ بھی تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ شہنشاہ ایران کا قبضہ بلوچستان اور سندھ پر اکثر رہا۔ اس قبضہ کے تعلق سے بعض جنگ جو قبیلوں کے فوجی دستے ایرانی فوج میں داخل تھے۔ ان جنگ جو قبیلوں میں سے دو کا ذکر عربوں نے کیا ہے اور وہ جاٹ اور مید ہیں۔ یہ دونوں سندھ کی مشہور قومیں تھیں۔''(۱)

ابلہ کے علاوہ بھی عراق میں ہندوستانیوں کی بہت بڑی تعداد رہتی اور قدیم زمانہ سے اس کو اپنا وطن بنا چکی تھی۔ اس کا ثبوت بلاذریؒ کے اس بیان سے ملتا ہے:

فانضم الی الاساورة السیابجة وکانوا قبل الاسلام بالسواحل وکذالک الزط، وکانوا بالطفوف یتبعون الکلا (۲)	سیابجہ ان اساورہ کے ساتھ مل گئے جو اسلام سے پہلے سواحل میں موجود تھے، اسی طرح جاٹ بھی عراق کے سواحل میں تھے اور یہ سب چارے کی تلاش میں کناروں کا چکر لگاتے رہتے تھے۔

عہد فاروقی کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایرانی فوج نے پیشکش کی کہ ہم مسلمان ہو کر بصرہ میں آباد ہونا چاہتے ہیں اور اسلامی جہاد میں مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے سیابجہ اور جاٹ عراق کے سواحل اور طفوف میں رہا کرتے تھے جو عام طور سے مویشی پالتے تھے اور چارے کی تلاش میں سواحل کا چکر لگاتے رہتے تھے اور عرب کی بدوی زندگی اختیار کرکے ان اطراف میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ ہندوستانی ان ہندوستانیوں کے علاوہ تھے جو ایرانیوں کی فوج میں

---

(۱): عرب و ہند کے تعلقات، ص ۱۱۔

(۲): فتوح البلدان، ص ۳۶۷، مطبع ازہر، مصر۔

شامل تھے۔ یہ لوگ خلیج عربی کے پورے عرب سواحل میں پھیلے ہوئے تھے جس میں عمان، مسقط، قطیف،، بحرین، قطر، کویت اور بصرہ سب ہی شامل تھے۔

بحرین اور عمان میں

خلیج عربی کے سواحل اور اطراف میں ہندوستانیوں کی کثرت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ دورِ جاہلیت میں ان کے دونوں سرے ان سے اس قدر آباد تھے کہ ایک طرف عرب لوگ ابلہ (بصرہ) کو ارض الہند اور فرج الہند کے نام سے یاد کرتے تھے اور دوسری طرح عمان اور بحرین کے عرب باشندے ہندوستانیوں کی زبان وتہذیب اور حالات سے اس قدر باخبر اور متاثر تھے کہ عام عربوں کو ہندوستانیوں کے حالات ان قبائل کے ذریعہ معلوم ہوتے تھے اور ہندوستانیوں کے میل جول سے ان عرب قبیلوں کی زبان اتنی بگڑ گئی تھی کہ عربیت میں اس کا درجہ اس قدر گر گیا تھا کہ فصاحت و بلاغت اور استعمال ومحاورہ میں سند نہیں مانی جاتی تھی۔

ہندوستانیوں کا عربی زبان اور زندگی پر اثر

چنانچہ مشہور عرب مؤرخ ہمدانی صاحب الاکلیل کا یہ قول علامہ قاضی ابن صاعد اندلسی نے ''طبقات الامم'' میں نقل کیا ہے:

ومن وقع من نصر من الازد بعمان فعنه اتى كثير من اخبار السند والهند وشى من اخبار فارس (۱)	اور قبیلہ نصر کا قبیلہ ازد جو عمان میں تھا اس سے سندھ اور ہندوستان کی بہت سی خبریں اور کچھ ایران کی خبریں معلوم ہوئیں۔

صاحب تاریخ آداب العرب نے ''الرحلۃ الی البادیۃ'' کے تحت لکھا ہے کہ عربی زبان لغت کو زیادہ تر اعراب اور بدویوں خاص طور سے قیس اور تمیم سے لیا گیا ہے مگر جن اعراب اور اہل بوادی کی زبان عجمیوں کے اختلاط کی وجہ سے خالص عربی نہیں رہ گئی، ان سے استناد واستشہاد نہیں کیا گیا۔

---

(۱): طبقات الامم، ص ۵۹، طبع مصر۔

وخاصة الذين كانوا يسكنون اطراف بلادهم المجاورة لمن حولهم من الأمم فانه لا يوخذ لامن لخم ولا من جذام لمجاورتهم اهل مصر و القبط... ولا من عبدالقيس وازد عمان لانهم كانوا بالبحرين مخالطين للهند والفرس ولا من اهل اليمن لمخالطتهم للهند والحبشة (۱)

خاص طور سے وہ عرب جو ایسے علاقوں میں تھے جو پڑوس کی قوموں سے ملے ہوئے تھے۔ اسی لیے لخم اور جذام سے عربی زبان نہیں گئی کیونکہ وہ مصر اور قبط کے پڑوسی تھے اور نہ عبدالقیس اور ازدعمان سے لی گئی کیونکہ یہ لوگ بحرین میں تھے اور ہندوستانیوں اور ایرانیوں سے ان کا اختلاط تھا، یہی حال اہل یمن کا ہے، وہ بھی ہندوستانیوں اور حبشیوں سے میل جول رکھتے تھے۔

بحرین کے قبیلہ عبدالقیس کو ہندوستان کے باشندوں سے خاص تعلق تھا اور اسے کبھی کبھی ہندوستان کے لوگوں سے سابقہ پڑتا تھا۔ ایک تغلبی شاعر اخنس ابن شہاب اپنے قبیلہ لکیز بن عبدالقیس کی مدح میں لکھتا ہے:

لكيزلها البحران والسيف كله وإنْ يانها باس من الهند كارب (۲)

فتنۂ ارتداد اور ہندوستانی باشندے

بحرین اور عمان اور ان کے ساحلی مقامات میں ہندوستانیوں کے کثیر تعداد میں آباد ہونے کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد جب ان اطراف میں ارتداد کا طوفان اٹھا اور مختلف قبائل نے اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو اس شورش میں ان علاقوں میں آباد ہندوستانیوں کو بھی جو اَب تک اسلام نہیں لائے تھے، شریک کیا گیا۔ خاص طور سے قطیف، ہجر، خط، دارین، جواثا وغیرہ میں

(۱) تاریخ آداب العرب ج ۱، ص ۳۴۳۔ (۲) صفۃ جزیرۃ العرب ہمدانی ج ۱، ص ۱۵۴ بحوالہ عربوں کی جہازرانی ص ۳۰۔

آباد جاٹ اور سیابجہ کو قبیلہ بنی عبدالقیس کا ساتھ دینا پڑا۔

امام طبری نے ۱۱ ہجری کے واقعات میں اہل بحرین کے ارتداد کے ذکر میں لکھا ہے:

فلما مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج الحطم بن ضبیعۃ اخو بنی قیس بن ثعلبۃ فیمن اتبعہ من بکر بن وائل علی الردۃ، ومن تاشب الیہ من غیر المرتدین ممن لم یزل کافرا حتی نزل القطیف، وھجر واستغوی الخط ومن فیھا من الزط والسیابجۃ وبعث الی دارین (۱)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو حطم بن ضبیعہ بکر بن وائل کے مرتدوں اور دوسرے قبائل کے ان غیر مرتد کافروں کو جو اب تک اپنے مذہب پر قائم تھے، ساتھ لے کر نکلا اور قطیف وہجر میں پہنچا اور خط کے پورے علاقے کو اور وہاں پر آباد جاٹ اور سیابجہ کو گمراہ کر کے اپنے ساتھ لے لیا اور دارین کی طرف بھی فوج بھیجی۔

ان مرتدوں اور باغیوں نے جاٹوں اور سیابجہ کو لے کر ان اطراف میں بڑی شورش برپا کی اور مسلمانوں کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے ان کی معاشی اور غذائی ناکہ بندی کر دی۔ حضرت علاء بن حضرمیؓ کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے حضرت جارودؓ کو بنو عبدالقیس اور حطم کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا اور ایک سخت معرکہ آرائی کے بعد کامیاب ہوئے اور حطم کی فوج کا ایک بڑا حصہ شکست کھا کر دارین کی طرف بھاگ نکلا۔ پھر وہاں سے بحری راستوں سے یہ سب اپنے اپنے ملک اور وطن کی طرف بھاگ گئے۔ ابن اثیر کا بیان ہے۔

وقصد اعظم الفلال الی دارین فرکبوا الیھا السفن ولحق الباقون ببلاد قومھم (۲)

شکست خوردہ فوج کا بڑا حصہ کشتیوں کے ذریعہ دارین کی طرف بھاگ گیا اور باقی ہزیمت خوردہ اپنے اپنے مقامات پر چلے گئے۔

---

(۱): تاریخ طبری ج ۳، ص ۲۵۵، ۲۵۶ اور کامل ابن اثیر ج ۲، ص ۱۴۱۔　(۲): کامل ابن اثیر ج ۲، ص ۱۴۴۔

طبری کے الفاظ یہ ہیں:

وقصد العظم الفلال لدارين فركبوا فيها السفن و رجع الأخرون الى بلاد قومهم (۱)	ہزیمت خوردہ فوج کے بڑے حصہ نے دارین کا رخ کیا اور وہاں سے کشتیوں میں سوار ہوکر اپنی راہ لی اور دوسرے سپاہی اپنے اپنے وطن چلے گئے۔

ان دونوں مؤرخوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ باغیوں اور مرتدوں کی شکست خوردہ فوج بھاری تعداد میں بھاگ کر دارین کی بندرگاہ پر آئی اور یہاں سے بری اور بحری راستوں سے اپنے ملک کی طرف بھاگی۔ ظاہر ہے کہ اس میں ہندوستان کے جو جاٹ اور سیابجہ شریک تھے، وہ بھاگ کر ہندوستان آئے ہوں گے۔

قلب عرب میں

خلیج عربی کے ساحلی مقامات کے علاوہ ہندوستان کے لوگ جزیرہ نمائے عرب کے اندرونی مقامات پر بھی رہتے تھے اور ان کی مستقل آبادیاں تھیں۔ چنانچہ عرب کے وسطی علاقہ نجد میں ہندوستانیوں کا پتہ چلتا ہے جو مدتوں سے وہاں آباد تھے اور عہد رسالت کے بعد تک اپنے مذہب پر قائم رہے اور ردت کے زمانہ میں کفار و مشرکین اور مرتدین کی یوں مدد کی کہ ان کو ہندوستان کے بنے ہوئے اسلحہ جنگ دیے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں استعمال کیے گئے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عربوں نے یہ ہندوستانی اسلحہ ان سے خریدے ہوں یا ہندوستان سے لے گئے ہوں، مگر غالب گمان یہی ہے کہ انہوں نے عربوں کی مدد کے لیے خود ہی یہ پیشکش کی تھی۔

یمامہ میں

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد جب نجد کے علاقہ میں مسیلمہ کذاب نے کھل کر مسلمانوں سے مقابلہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت

---

(۱) تاریخ طبری ج ۳، ص ۲۵۹۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب اور اس کی فوج سے لڑنے کے لیے روانہ فرمایا۔ جب وہ یمامہ کے قریب پہنچے تو مسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی اور مجاعہ بن مرارہ بن سلمٰی کے علاوہ سب قتل ہوئے۔ حضرت خالدؓ نے مجاعہ کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لیا اور یمامہ سے ایک میل دُوری پر پڑاؤ ڈالا۔ جب یمامہ والوں کو خبر ہوئی تو مقابلہ کی نیت سے باہر نکلے۔ اس وقت ان کے ہاتھوں میں تلواریں چمک رہی تھیں۔ ان کو دیکھ کر حضرت خالدؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ آپس ہی میں لڑ گئے ہیں۔ جب مسلمان فوجوں سے اس کا تذکرہ کیا تو مجاعہ نے بتایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یمامہ کے لوگ جنگ کی تیاری میں اپنی ہندی تلواریں صاف کر رہے ہیں اور ان کو دھوپ دکھا رہے ہیں۔ بلاذری نے لکھا ہے:

فرأى خالد البارقة فيهم، فقال يامعشر المسلمين قد كفاكم اللّٰه مئونة عدوكم، الاترونهم وقد شهر بعضهم السيوف على بعض قد اختلفوا ووقع باسهم بينهم، فقال مجاعة وهو في حديدة، كلا، ولكنها الهند واينة خشوا تحطمها فابزروها للشمس لتلين متونها

حضرت خالدؓ نے ان کے اندر تلواروں کی چمک دیکھی تو فرمایا کہ اے مسلمانو! اللہ نے تم کو دشمن کی مصیبت سے نجات دے دی۔ وہ دیکھو دشمن آپس ہی میں ایک دوسرے پر تلواریں کھینچے ہوئے ہیں، میرا خیال ہے کہ ان میں اختلاف ہو گیا ہے اور وہ آپس میں لڑ پڑے ہیں۔ یہ سن کر مجاعہ نے کہا یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ ہندوستانی تلواریں ہیں جن کو انہوں نے دھوپ میں رکھ کر صاف کرنا چاہا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یمامہ اور آس پاس میں آباد ہندوستانیوں نے مسیلمہ کذاب اور اس کے متبعین کو ہندوستان کی بنی ہوئی بہترین تلواریں دی تھیں، جو عرب میں قدیم زمانہ سے مشہور تھیں۔

نجران میں

یمن کے مشہور شہر نجران میں بھی عہد رسالت میں بکثرت ہندوستانی آباد تھے، اور نجران کے عرب ان کی زندگی اور لباس وغیرہ سے بڑی حد تک متاثر تھے۔ اس کا ثبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جملہ سے ملتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ربیع الآخر یا جمادی الاولی ۱۰ھ نبوت میں آپ نے حضرت خالدؓ کو نجران کے قبیلہ بنی حارث بن کعب کے پاس دعوت اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت خالدؓ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور انہوں نے بلا تردّد قبول کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو لکھا کہ تم بنی حارث بن کعب کا ایک وفد لے کر مدینہ آ جاؤ۔ چنانچہ وہ چھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد لے کر دربار نبوت میں حاضر ہوئے۔

فلما قدموا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فراھم قال من ھولاء القوم کانھم رجالا لھند، قیل یا رسول اللہ ھولاء رجال بنی الحارث بن کعب (۱)

جب وفد کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے لوگوں جیسے ہیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بنی حارث بن کعب کے آدمی ہیں۔

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہندوستان کے لوگوں کی شکل وصورت سے اچھی طرح واقف تھے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نجران اور اس کے اطراف میں ہندوستانیوں کی تعداد زیادہ تھی اور مقامی لوگوں پر ان کا شبہ ہونے لگتا تھا یا وہ ہندوستانیوں سے میل جول کی وجہ سے لباس و ہیئت میں ان کے مشابہ معلوم ہوتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں

عرب کے مغربی علاقہ حجاز میں بھی ہندوستان کے باشندے موجود تھے، خاص طور سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے عرب باشندے ان سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ ابتدائے اسلام میں جب مکہ مکرمہ میں کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تو ابو طالب نے اس زمانہ میں سینکڑوں اشعار کا ایک قصیدہ کہا جس میں

(۱): سیرت ابن ہشام ج ۲، ص ۵۹۳، ۵۹۴، مطبع مصر و تاریخ طبری ج ۳، ص ۱۵۷، تاریخ طبری میں القوم الذین کانھم اور ھولا بنو الحارث ہے۔

یقین دلایا کہ میں اپنے بھتیجے کی مدد و حفاظت سے باز نہیں آ سکتا۔ اس قصیدہ کے ایک شعر میں ہندوستانیوں کا تذکرہ کچھ یوں کیا ہے:

بضرب ترى الفتيان فيه كأنهم ضوارى أسود فوق لجم خرادل

ایسی جنگ کہ اس میں نوجوان حملہ آور شیر معلوم ہوتے ہیں

بني امة محبوبة هندكية بني جمح عبيد قيس بن عاقل (ا)

ہندوستانی دل پسند باندی کے بیٹوں کو مارتے ہیں یعنی بنی جمح
کو جو قیس بن عاقل کے غلام ہیں

عہد رسالت میں مکہ مکرمہ میں ہندوستانیوں اور جاٹوں کے رہنے کی ایک اور سند حدیث میں ملتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ جاٹوں سے اچھی طرح واقف تھے اور ان کی شکل وصورت اور لباس و ہیئت کو خوب جانتے تھے۔ ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بطحا سے مکہ کی طرف لے گئے۔ یہاں انہوں نے جنات دیکھے جو اپنی شکل وصورت اور ہیئت میں ہندوستان کے جاٹ معلوم ہوتے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے۔

فبينا انا جالس في خطي	میں اپنے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے
اذاتاني رجال كانهم الزط	پاس کچھ لوگ آئے جو اپنے بال اور جسم
اشعارهم واجسامهم لا ارى	میں جاٹ معلوم ہوتے تھے۔ میں ان کا
عورة ولا ارى قشرا (ترمذی باب الامثال)	ستر اور کھال نہ دیکھ سکا۔

حضرت ابن مسعودؓ کی اس تمثیل وتشبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں رہ کر جاٹوں کی شکل وشباہت سے بخوبی واقف تھے۔

مدینہ منورہ میں

مکہ مکرمہ کے بعد حجاز کا دوسرا مرکزی شہر مدینہ منورہ ہے، جہاں بحرین وعمان اور

(ا): سیرۃ ابن ہشام ج ا، ص ۲۷۹، مطبوعہ ۱۳۷۵ھ مصر۔

عراق و شام وغیرہ سے ہر قسم کا تجارتی کاروبار ہوتا تھا۔ عہد رسالت میں مدینہ منورہ میں ہندوستانیوں کے بارے میں کوئی واقعہ نہیں مل سکا۔ مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی جاٹ موجود تھے، چنانچہ امام بخاریؒ نے ''الادب المفرد'' کے باب ''بیع الخادم من الاعراب'' میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پروردہ حضرت عمریہ انصاریہؓ سے روایت کی ہے کہ:

ان عائشة رضي الله عنها دبرت امة لها، فاشتكت عائشة، فسئال بنو أخيها طبيبا من الزط (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک باندی کو مدبّر فرمایا، اس کے بعد آپ بیمار ہو گئیں تو آپ کے بھتیجوں نے اس سلسلے میں ایک جاٹ طبیب سے مراجعت کی۔

یہ روایت امام ابوعبداللہ حاکمؒ نے ''المستدرک'' میں بھی بیان کی ہے۔ (۲) غالباً یہ واقعہ جیسا کہ ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں جاٹ رہتے تھے جن میں سے بعض دوا علاج بھی کرتے تھے اور اغلب یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے سے یہاں آباد تھے۔

تبوک کے اطراف میں

عرب کے شمال و مغرب میں بھی ہندوستانیوں کا نشان ملتا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تبوک کے آس پاس یہ لوگ رہتے تھے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے ''الادب المفرد'' میں غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابورہم رضی اللہ عنہ کی طویل ملاقات کا ذکر کیا ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قبیلہ بنی غفار کے اس غزوہ میں نہ شریک ہونے والوں کے بارے میں سوال کیا اور ابورہم نے جواب دیا:

فقال مافعل النفر الحمر الطوال الثط، قال فحدثته

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس سرخ جماعت کا معاملہ کیا رہا جن کے شکم بڑے ہیں۔

(۱): الادب المفرد، ص ۲۷ مطبع تازیہ مصر۔ (۲): فضل اللہ الصمد ج ۱، ص ۲۶۰۔

بتخلفهم قال فما فعل السود الجعاد القصار الذين لهم نعم بشبكة شرخ (۱)

میں نے عرض کیا کہ وہ غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے۔ پھر آپؐ نے دریافت فرمایا، ان سیاہ رنگ گھونگھر بالوں والے پستہ قد لوگوں کا کیا حال ہے جن کے جانور مقام شبکہ شرخ میں ہیں۔

غالب گمان یہ ہے کہ اس حدیث میں "النفر الحمرا الثط" سے مراد بنو غفار کے ہندوستانی غلام اور موالی ہیں اور "السود الجعاد القصار" سے مراد حبشی غلام اور موالی ہیں۔

یہ مختصر سا بیان ان ہندوستانیوں اور ان کی آبادیوں کا ہے جو عرب میں آباد تھے۔ اگر احادیث اور تواریخ و سیر کی کتابوں کا تفصیلی مطالعہ اس نقطۂ نظر سے کیا جائے تو مزید باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔

=====

(۱): الادب المفرد امام بخاری، ص ۱۱۲۔

عرب میں آباد ہندوستانیوں کو دعوتِ اسلام

ہم نے گزشتہ صفحات میں عرب و ہند کے تعلقات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قدیم زمانہ سے عرب میں ہندوستان کے لوگ آباد تھے اور عہد رسالت میں جب اسلام کی دعوت عام ہوئی اور اطراف و جوانب میں پھیلی تو عربوں کی طرح غیر عربوں میں بھی اس کی تبلیغ ہوئی اور ایرانیوں، رومیوں، حبشیوں کی طرح ہندوستانیوں کو بھی اس نعمت سے حصہ ملا اور یمن، بحرین اور نجد وغیرہ میں رہنے والے ہندوستانی باشندوں نے اسلام قبول کیا۔ گو اس کی تصریح و تفصیل کتب تواریخ و سیر اور احادیث میں نہیں ملتی مگر جستہ جستہ واقعات اور اشارات سے اس کی نشان دہی ہوتی ہے۔ ہندوستانیوں میں کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے دعوت اسلام پر لبیک نہیں کہا، بلکہ وہ یہود و نصاریٰ اور مجوس کی طرح اپنے آبائی دین پر قائم رہے اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا۔

یہ موضوع بہت اہم اور دلچسپ ہے مگر افسوس ہے کہ تلاش و جستجو کے باوجود اس پر بہت کم مواد مل سکا۔ بہر حال جو کچھ بھی ملا ہے اس پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

جاہلی عربوں اور ہندوؤں میں مذہبی ہم آہنگی اور ہندوؤں کی عربوں کے معبدوں سے عقیدت مندی

جاہلی عربوں اور ہندوستان میں تجارتی، معاشی اور اقتصادی تعلقات کے علاوہ

مذہبی اور اعتقادی تعلقات بھی تھے اور دونوں ملکوں میں اس اعتبار سے بھی ہم آہنگی تھی کہ اصنام پرستی، مظاہر پرستی اور کواکب پرستی دونوں میں عام تھی۔ عرب کے ہندوستانی اسی اشتراک عقیدہ کی بنا پر عربوں میں بڑی آسانی سے کھپ جاتے تھے جو ان ہی کی طرح کے عقائد و خیالات کے حامل تھے۔

علامہ عبدالکریم شہرستانی نے "کتاب الملل والنحل" کے مقدمہ میں لکھا ہے:

انّ العرب والهند يتقاربان علٰى مذهبٍ واحدٍ، و اكثر ميلهم الى تقرير خواص الاشياء والحكم باحكام الماهيات والحقائق واستعمال الامور الروحانية (۱)

عرب و ہند دونوں کا مذہب قریب قریب یکساں ہے، ان دونوں میں سے اکثروں کا رجحان اشیاء کے خواص کے ثبوت اور ماہیات وحقائق کے احکام پر چلنے اور روحانیات کے استعمال کرنے کی طرف ہے۔

اسی بات کو دوسری جلد میں "آراء العرب فی الجاہلیۃ" کے ماتحت لکھا ہے:

قد ذكرنا فى صدر الكتاب ان العرب والهند يتقاربان على مذهبٍ واحدٍ و اجملنا القول فيه حيث كانت المقارنة بين الامتين مقصورة على اعتبار خواص الاشياء والحكم باحكام الماهيات والغالب عليهم الفطرة والطبع (۲)

ہم نے کتاب کے شروع میں ذکر کیا ہے کہ عرب اور ہند دونوں کا مذہب قریب قریب یکساں ہے اور وہاں اجمالاً بتایا ہے کہ دونوں قوموں کا مذہبی میل جول صرف اشیاء کے خواص اور ماہیات کے احکام کے اعتبار و حکم ہے اور دونوں پر فطرت وطبیعت کا غلبہ ہے۔

سبع ہیاکل ہندوعرب کے مشترک بت خانے تھے

ابتدا میں ہندوعرب کی مذہبی نوعیت یہی تھی، مگر بعد میں دونوں قوموں میں بت

(۱): کتاب الملل والنحل، طبع قدیم مصر ج ۱، ص ۲، ۳۔ (۲): ایضاً، ج ۲، ص ۱۰۶۔

پرستی کا رواج ہو گیا اور وہ بت پرست قوموں میں شامل ہو گئیں۔ دنیا کی بت پرست قوموں کے سات بڑے بڑے ہیاکل (بیت خانے) تھے جو سبع سیارہ کے نام سے موسوم تھے، مسعودی نے ان کی تفصیل یہ بیان کی ہے:

(۱) مکہ میں کعبہ زحل ستارہ کا ہیکل مان لیا گیا تھا۔ (۲) ہیکل اصفہان، یہ مجوس کا آتش کدہ تھا۔ (۳) ہندوستان میں سومنات۔ (۴) بلخ میں نوبہار۔ (۵) صنعاء یمن میں زہرا ستارہ کے نام کا بیت غمدان۔ (۶) فرغانہ میں آفتاب کا ہیکل اور (۷) چین کا ہیکل (۱)

شہرستانی نے دنیا کے ان سات بت خانوں کے نام شمار کراتے ہوئے ان کو ہند اور عرب میں مشترک بتایا ہے اور لکھا ہے:

واما بیوت الاصنام التی کانت للعرب والھند فھی البیوت السبعة المعروفة المبنیة علی السبع الکواکب	عرب اور ہندوستان کے مشہور بت خانے سات ہیں جو سات ستاروں کے نام پر بنے ہوئے ہیں۔

(۱) بیت فارس، جبل اصفہان پر، (۲) بت خانہ ملتان، (۳) بت خانہ سومنات، (۴) نوبہار بلخ، (۵) بیت غمدان، صنعاء یمن، (۶) بت خانہ فرغانہ اور (۷) مکہ میں کعبہ جس کے متعلق بعد میں یہ غلط طور پر مشہور کیا گیا کہ وہ زحل ستارہ کی مناسبت سے بنایا گیا ہے۔ حالانکہ اس کے بانی نے اس کو ستاروں کے طوالع پر بنایا تھا، اور نہ اس کا نام بیت زحل رکھا گیا تھا کہ اسے بقاء و دوام حاصل ہو، بلکہ کعبہ کو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنایا تھا۔ مگر عمرو بن لحی نے اپنی تولیت کے زمانہ میں بلقاء (ارض شام) سے پہلی مرتبہ بت لا کر کعبہ میں رکھا اور اس کا رواج ملک شاپور ذی الاکتاف کے زمانہ سے عام ہوا، جو زمانہ اسلام تک جاری رہا، تا آنکہ فتح مکہ میں کعبہ کی تطہیر ہوئی۔ (۲)

کعبہ کے بارے میں غلط عقیدہ

اس حقیقت کے باوجود بت پرستوں کی ایک جماعت کعبہ کے بارے میں بھی

(۱): مروج الذہب ج ۲ ص ۲۳۸ تا ص ۲۴۱ طبع جدید مصر۔
(۲): الملل والنحل ج ۲ ص ۱۰۷، ۱۰۸۔

یہی عقیدہ رکھتی تھی کہ وہ زحل ستارے کے نام پر بنایا گیا ہے۔ اس لیے اس میں دوام و بقاء کی شان پائی جاتی ہے۔ مسعودی نے اس جماعت کا خیال نقل کیا ہے:

وقد ذهب قوم ان البيت الحرام وهو بيت زحل والما طال عندهم بقاء هذا البيت على مرور الايام معظم فى سائر الاعصار لانه بيت زحل، وان زحل تولاه، ولان زحل من شانه البقاء والثبوت، فما كان لد فغير زائل ولا داثر، وعن التعظيم غير حائل (۱)

ایک جماعت کا خیال ہے کہ کعبہ ہیکل زحل ہے اور اس لیے وہ مرور ایام کے بعد بھی قائم ہے اور مدت دراز سے ہر زمانہ میں معزز و محترم رہا ہے کیونکہ وہ زحل ستارہ کا ہیکل ہے اور زحل ہی اس کا متولی و مالک ہے۔ زحل کے لیے بقاء و دوام ہے، جو چیز اس کے نام پر ہوگی اس میں زوال و تغیر نہیں ہوگا بلکہ اس کی تعظیم و تکریم ہمیشہ باقی رہے گی۔

ہندوستان کے ہندو بھی ان ہی بت پرستوں میں تھے جو کعبہ کو زحل ستارہ کا ہیکل مان کر اس کی تعظیم و تکریم کے قائل تھے، بلکہ وہ عرب کے بعض دوسرے بت خانوں کا بھی احترام کرتے تھے۔

کعبہ سے عقیدت

ہندوستان کے لوگوں اور یہاں کی چیزوں کو کعبہ سے کسی نہ کسی رنگ میں علاقہ رہا ہے۔ چنانچہ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب عبد المطلب نے چاہ زمزم کو دوبارہ کھودا تو اس کے اندر سے سونے کے دو ہرن ملے جو قبیلہ بنو جرہم کے تھے۔

ووجد فيها اسيافا قلعية وأدرعاً (۲)

نیز اس میں انہوں نے کلہ کی تلواریں اور زرہیں پائیں۔

اس سامان کے بارے میں قریش نے عبد المطلب سے جھگڑا کر کے اپنا استحقاق ظاہر کیا۔ اور جب قرعہ اندازی ہوئی تو یہ تلواریں اور زرہیں عبد المطلب کے حصہ میں آئیں

(۱): مروج الذہب ج ۲، ص ۲۳۷، طبع جدید مصر۔ (۲): سیرت ابن ہشام ج ۱، ص ۱۴۶۔

اور تلواروں سے انہوں نے کعبہ کا دروازہ بنایا۔
یہ اسیاف قلعیہ وہ ہندی تلواریں ہیں جو یہاں کے شہر کلہ میں بنائی جاتی تھیں۔
مشہور سیاح ابودلف مسعر بن مہلہل ینبوعی کلہ کے متعلق لکھتا ہے:

وفيها قلعة عظيمة فيها معدن الرصاص القلعي لا يكون الافي قلعتها وفي هذه القلعة تضرب السيوف والقلعية وهي الهندية العتيقة (۱)	اس شہر میں بہت بڑا قلعہ ہے جس میں رانگے کی کان ہے اور یہ صرف اسی قلعہ میں ہوتا ہے اور اسی قلعہ کے اندر قلعی تلواریں بنائی جاتی ہیں جو اعلیٰ قسم کی ہندی تلواریں ہوتی ہیں۔

مشہور شاعر فرزدق نے آل مہلب کی تعریف کے ضمن میں قلعیہ یعنی کلہ کی بنی ہوئی ہندوستانی تلواروں کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

متقلدی قلعیة وصوارم هندیة وقدیمة الاثار

وہ لوگ قلعی تلواریں اور قدیم ہندوستانی شمشیر براں اپنی کمر سے باندھے ہوئے ہیں

اس روایت سے اگرچہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ کلہ کی ہندوستانی تلواروں کو یہاں کے لوگوں نے کعبہ کی نذر کیا تھا یا خود عربوں نے ان کو خرید کر دفائن کعبہ میں رکھا تھا۔ مگر اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کو چاہ زمزم کے اندر ہندوستان کی تلواریں ملیں اور انہوں نے ان کو کعبہ کے دروازے میں استعمال کیا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک موجود تھا۔

کعبہ سے ہندوستانیوں کی قدیم عقیدت و تعلق کا پتہ بعد کے واقعات سے بھی چلتا ہے۔ چنانچہ خلیفہ مامون کے زمانہ میں تبت اور سندھ کے علاقہ کا ایک راجا مسلمان ہوا۔ اس کے پاس انسانی شکل کا سونے کا ایک مرصع بت اور اس کا تخت تھا۔ اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد ان دونوں گراں قدر چیزوں کو کعبہ کی نذر کر دیا۔ امام ابوالولید محمد بن عبداللہ ارزقی مکیؒ نے تاریخ مکہ میں اس کا تذکرہ نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ (۲)

(۱): یہ سیاح ۳۷۷ ہجری میں موجود تھا۔ اس نے عرب سے چین تک کا سفر کیا تھا۔ اس کے سفر نامہ کا اکثر حصہ یاقوت حموی نے "معجم البلدان" میں چین کے ذکر میں نقل کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو "معجم البلدان" ج ۵، ص ۳۱۵۔ (۲): بحوالہ رجال السند والہند، ص ۲۹۶۔

قلیس سے عقیدت

کعبہ کے علاوہ عرب کے دوسرے معبدوں سے بھی ہندوستانیوں کو عقیدت تھی اور وہ ان سے اپنا تعلق ظاہر کرتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابرہہ نے صنعاء میں بیت غمدان کے پہلو میں ایک بہت بڑا ہیکل قلیس کے نام سے بنوایا تھا تاکہ کعبہ کے حجاج کو مکہ سے ہٹا کر اس معبد کو عربوں کی عبادت گاہ قرار دے۔ قلیس عرب وعجم میں اپنی شان کا واحد معبد تھا۔ اس کی تعمیر میں جو پتھر استعمال کیے گئے تھے وہ مآرب کے قصر بلقیس کے تھے اور سبز، سرخ، زرد اور سیاہ قیمتی پتھر اس طرح جوڑے گئے تھے کہ:

وفيها بين كل ساقين خشب من ساسم مدوّر الراس غلظ الخشبة... حضن الرجل وكان المدخل منه (الباب) الى بيت في جوفه طوله ثمانون ذراعاً في اربعين معلق العمل بالساج المنقوش، ومسامير الذهب والفضة (۱)	ہر دو ستونوں کے درمیان شیشم کی لکڑی تھی جس کا سرا گول تھا اور جس کی موٹائی آدمی کے دونوں ہاتھ کے گھیر کے برابر تھی اور باہری دروازہ سے بت خانے کے اندر جانے کا راستہ ساگوان کی منقش لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ جو معلق تھا اور اس کی لمبائی اَسّی ہاتھ اور چوڑائی ۴۰ ہاتھ تھی۔ اس میں سونے اور چاندی کی کیلیں لگی تھیں۔

آگے چل کر اس کی بناوٹ اور سجاوٹ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

ودرج المنبر من خشب الساج ملبسةً ذهبا وفضة، وكان في القبة أو في البيت خشبة ساج منقوشة طولها ستون ذراعا يقال لها كعيب و خشبة من ساج نحوها في الطول يقال لها امرأة كعيب	منبر کی سیڑھیاں ساگوان کی لکڑی کی تھیں، جن پر سونا اور چاندی منڈھا ہوا تھا اور گنبد میں سونے کی زنجیریں آویزاں تھیں اور اسی قبہ میں یا اندرونی حصہ میں ساگوان کی ایک منقش لکڑی تھی جس کا طول ساٹھ ہاتھ تھا، اسے کعیب کہتے تھے اور اتنی ہی لمبی ایک دوسری ساگوان کی لکڑی تھی جسے کعیب کی

(۱): اخبار مکہ ازرقی طبع مکہ مکرمہ، ج ۱، ص ۱۴۸۔

كانوا يتبركون بهما في الجاهلية وكان يقال لكعيب الاحوزي و الاحوزي بلسانهم الحرّ (۱)

بیوی کہتے تھے۔ عرب کے لوگ دورِ جاہلیت میں ان دونوں مورتیوں سے برکت حاصل کرتے تھے اور کعیب کا نام ان کے یہاں احوزی تھا، جس کے معنی ان کی زبان میں آزاد کے تھے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس معبد کی چوب عمارتی تمام تر ہندوستان کی شیشم اور ساگوان کی تھی اور اس کے دونوں بت یعنی کعیب اور اس کی بیوی ساگوان کی لکڑی تراش کر بنائے گئے تھے۔ عجب نہیں کہ ہندوستان ہی کے بت تراشوں نے کعیب اور اس کی بیوی کی شکل بنائی ہو، کیونکہ ہندوستان اس فن میں قدیم زمانہ سے شہرت رکھتا ہے اور عرب کے بت پرست اس میں کوئی خاص مہارت نہیں رکھتے تھے۔

عرب اور ہندوستان کے مشہور بت، بت خانے اور مشترک باتیں

جس طرح ہندوستان میں کواکب پرستی اور ستاروں کے نام پر بت خانوں کا رواج تھا، اُسی طرح عرب کے بہت سے قبائل کواکب پرستی کرتے تھے اور بت خانے بناتے تھے۔ چنانچہ قاضی صاعد بن اندلسی نے "طبقات الامم" میں لکھا ہے کہ یہ قبائل ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ بنو حمیر سورج کی، بنو کنانہ چاند کی، بنو تمیم دبران کی، بنو لخم اور بنو جذام مشتری کی، بنو طے سہیل کی، بنو قیس شعریٰ کی، بنو اسد عطارد کی، قریش میں الحاد و بددینی تھی جسے انہوں نے اہل حیرہ سے لیا تھا۔ غرض اسلام کی ابتدا میں پورے عرب میں بت پرستی عام تھی اور بنو تمیم میں مجوسیت تھی۔ اس قبیلہ کے مشہور مجوسی زرارہ بن حاجب بن زرارہ، اقرع بن حابس اور ابو اسود تھے۔ (۲)

عربوں کی بت پرستی کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے بڑے بڑے بت وَدّ، سواع اور یعوق تھے۔ دومۃ الجندل میں بنو کلب وَدّ کو پوجتے تھے، بنو ہذیل سواع کو پوجتے تھے۔ اہل یمن اور بنو مذحج کا بت یغوث تھا، یمن کا قبیلہ بنو ہمدان یعوق کی پرستش کرتا تھا، حمیر کے ذوالکلاع نسر کی پوجا کرتے تھے، طائف کے بنو ثقیف کا بت لات تھا۔ مکہ میں قریش کا بت عزیٰ تھا، بنو کنانہ اور بنو سلیم کے کچھ لوگ بھی عزیٰ کو پوجتے تھے، مدینہ میں اوس، خزرج اور

(۱): اخبار مکہ ارزقی، طبع مکہ مکرمہ، ج، ص ۵۸۔ (۲): طبقات الامم، ص ۵۷۔

غطفان کا بت منات تھا۔ عرب کے بتوں میں ہبل سب سے بڑا بت تھا، اس لیے اس کا مقام کعبہ کی چھت پر تھا۔ اساف اور نائلہ نامی دو بت صفا اور مروہ پر تھے اور اس طرح ان کو عمرو بن لحی نے کعبہ کے سامنے نصب کیا تھا۔(۱)

ہندوستان اور سندھ کے جن ساحلی مقامات سے عربوں کو قدیم تعلق تھا اور جہاں کے لوگ عرب میں آتے جاتے تھے یا وہاں آباد ہو گئے تھے۔ ان مقامات میں بڑے بڑے بت خانے تھے اور ان کے بارے میں الگ الگ عقائد و تصورات تھے۔ ابن ندیم نے ''کتاب الفہرست'' میں ہندوستان کے ان ساحلی بت خانوں کے یہ نام دیئے ہیں: (۱) مانکیر (منکرور) کا بت خانہ اس میں بیس ہزار بت تھے اور اس کی عمارت ایک فرسخ کی لمبائی چوڑائی میں تھی، لوگ دور دور سے آ کر یہاں قربانی اور نذریں پیش کرتے بلکہ جان تک چڑھاتے تھے، (۲) ملتان کا بت خانہ جو سبعہ ہیاکل میں سے ایک تھا، یہاں ہندوستان بھر سے پجاری آ کر قربانیاں، بخور اور نیازیں چڑھاتے تھے، (۳) بامیان کا بت خانہ، (۴) قمار (راس کماری) کا بت خانہ، صنف (ہند اور چین کے درمیانی شہر) کا بت خانہ وغیرہ۔(۲)

اس سے دونوں ملکوں کی کوکب و اصنام پرستی اور ان میں ہیکلوں کی کثرت کا پتہ چلتا ہے۔

عرب کے عام ہندو صابئہ، اور کچھ مجوسی شمار کیے جاتے تھے

شہرستانی نے ''الملل والنحل'' میں ''آراء الہند'' کے ماتحت لکھا ہے کہ ہندوستان میں مختلف مذاہب اور بہت سے فرقے اور جماعتیں ہیں۔ مگر یہاں کے جمہور صابئہ کے مذاہب پر ہیں اور کواکب پرستی ان کا مذہب ہے۔ البتہ ان کے طریقے جدا جدا ہیں۔

واکثرھم علی مذھب الصابئة ومناھجھا فمن قائل بالروحانیات ومن قائل	ہندوستان کے اکثر باشندے صابئہ اور اس کے طریقوں پر ہیں، ان میں بعض روحانیات کے قائل ہیں، بعض ہیکلوں کے قائل ہیں اور

(۱): الملل والنحل شہرستانی، ج۲، ص۱۰۹۔ طبع قدیم۔
(۲): تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الفہرست ص ۴۸۵، ۴۸۶۔

بالهياكل، ومن قائل بالاصنام الا انهم مختلفون في شكل المسالک التي ابتدعوها وكيفية اشكال وضعوها (۱)

بعض بتوں کے قائل ہیں۔ البتہ یہ سب اپنے اپنے مذہبی طریقوں اور شکلوں میں جن کو انہوں نے ایجاد کیا، مختلف ہیں۔

علامہ ابن صاعد اندلسیؒ نے بھی جمہور اہل ہند کو صابیہ ہی بتایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

واما الصائبة وهم جمهور الهند ومعظمها فانها تقول بازل العالم، وانه معلول بذات علة العلل التي هي الباري عز وجل وتعظم الكواكب و تصور لها صور الممثلها وتتقرب اليها بانواع قرابين على حسب ماعلموا من طبيعة كل كوكب منها ليستجلبوا بذالك قواها، ويصرفوا في العالم السفلىٰ على اختيارهم تداهيرها، ويسمون كل صورة من هذه الصور بد (۲)

ہندوستان کے جمہور صابیہ ہیں اور اس کی اکثریت عالم کی ازلیت کی قائل ہے، اور یہ کہ عالم علۃ العلل یعنی ذات باری تعالیٰ سے معلول ہے۔ یہ لوگ کواکب کی تعظیم کرتے ہیں اور اپنے تخیلہ کے مطابق ان کی صورتیں بناتے ہیں اور اپنی فہم کے مطابق ہر ستارہ کی طبیعت کے مناسب طرح طرح کی قربانیاں دیتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعے ان ستاروں سے قوت حاصل کرکے اس دنیا میں ان کے تاثیرات کو کام میں لائیں اور ستاروں کی ان مثالی صورتوں میں ہر ایک صورت کو بت کہتے ہیں۔

صابیہ کے علاوہ ہندوستان میں ایک اور فرقہ تھا جو مذہب ثنویہ کی طرف مائل اور ملت ابراہیمی کا قائل تھا، "الملل والنحل" میں ہے:

ومنهم من يميل الىٰ مذهب الثنوية ويقول بملة ابراهيم عليه السلام (۳)

ہندوستانیوں میں سے بعض مذہب ثنویہ کی طرف مائل ہیں۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے قائل ہیں (۴)

(۱): الملل النحل ج ۲، ص ۱۱۵۔ (۲): طبقات الامم، ص ۱۵۔ (۳): الملل والنحل، ج ۲، ص ۱۱۵۔
(۴) یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا، بلکہ "براہمیت" اور برہمیت" میں اشتباہ کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

یہ ثنویت مجوس کا بنیادی عقیدہ ہے اور نور و ظلمت کے فلسفہ پر اس کا دار و مدار ہے۔

ثم الثنوية اختصت بالمجوس حتى اثبتوا اصلين اثنين مدبرين قديمين يقتسمان الخير والشر والنفع والضر والصلاح والفساد ويسمون احدهما النور والثاني الظلمة وبالفارسية يزدان واهرمن (۱)

ثنویت مجوسیوں کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ دو اصلوں کو قدیم اور مدبر مانتے ہیں جو خیر اور شر، نفع و نقصان اور صلاح و فساد میں منقسم ہیں، ان میں سے ایک اصل کو نور اور دوسرے اصل کو ظلمت کہتے ہیں اور فارسی میں ان کو یزدان اور اہرمن سے یاد کرتے ہیں۔

اس کے بعد شہرستانی نے ہندوستان کے فرقہ ثنویہ یا مجوس کا تذکرہ کیا ہے، نیز مجوسیوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کی ایک شاخ زرداشتیہ ہے، جس کا خیال ہے کہ ہمارے یہاں بھی انبیاء اور ملوک ہوئے اور پہلا بادشاہ کیومرث تھا جسے پورے روئے زمین کی بادشاہت حاصل تھی۔ اس کا مرکزی مقام اصطخر تھا، اس کے بعد اوشہنج بن فراول بادشاہ ہوا جس نے ہندوستان جا کر مجوسیت کی تبلیغ کی تھی۔

ونزل الهند وكانت له دعوة ثمة (۲)

یہ بادشاہ ہندوستان گیا اور وہاں اپنے مذہب کی دعوت دی۔

ہندوستان کے ان مجوسیوں کے پیشواؤں کو عرب ہربذ کہتے تھے۔ یہ ان کے آتش کدہ کے منتظم اور ذمہ دار ہوتے تھے۔ ''لسان العرب'' میں ہے:

الهربذ بالكسرى واحد الهرابذة، المجوس، وهم قومة بيت النار التي في الهند، فارسي معرب و قيل عظماء الهند (۳)

ہربذ ہرابذہ کا واحد ہے جو ہندوستان کے آتش کدہ کے پجاری اور منتظم ہوتے ہیں۔ یہ لفظ فارسی سے معرب کیا گیا ہے اور ایک قول ہے کہ ہرابذہ ہندوستان کے بڑے لوگوں کو کہتے ہیں۔

---

(۱): الملل والنحل، ج ۱، ص ۱۳۷، ۱۳۸۔ (۲): ایضاً، ج ۱، ص ۱۴۰۔

(۳): لسان العرب، ج ۲، ص ۸۱۵

ہندوستان کے یہ مجوس عربوں میں بہت بعد تک مجوس ہی کے نام سے مشہور تھے۔ چنانچہ بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی نے "عجائب الہند" میں ابوالزہر برختی ناخدا کے متعلق لکھا ہے کہ وہ پہلے ہندوستان کے مذہب پر مجوسی تھا، پھر مسلمان ہو گیا۔

کان من عظماء سیراف، وکان مجوسیا علیٰ دین الهند، وکان عندهم امینا یقبلون قوله ویستودعونه اموالهم و اولادهم فاسلم وحسن اسلامه (۱)

یہ شخص سیراف کے بڑے لوگوں میں سے تھا اور ہندوستانیوں کے مذہب پر مجوسی تھا اور اپنی قوم میں بڑا امانت دار مانا جاتا تھا۔ لوگ اس کی بات کو مانتے تھے اور اپنا مال اور اپنی اولاد اس کے یہاں امانت رکھتے تھے۔ بعد میں وہ اسلام لایا اور پکا مسلمان ہو گیا۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں موجود ہندوؤں کو زمانۂ اسلام میں فرقہ صابئہ اور مجوس میں شمار کیا گیا اور ان کے اسلام نہ قبول کرنے کی صورت میں ان کے ساتھ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں وہی معاملہ کیا گیا جو بحرین، عمان، ہجر، خط اور یمن وغیرہ میں آباد عجمیوں اور مجوس وصابئہ کے ساتھ کیا گیا تھا، جیسا کہ معلوم ہو گا۔

عرب کے ہندو اور دعوتِ اسلام

جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، ہندوستان کے لوگ عرب میں یوں تو اکثر مقامات میں موجود تھے اور حضری اور بدوی دونوں قسم کی زندگی بسر کرتے تھے، مگر عرب کے سواحل میں خلیج عربی سے لے کر یمن کے اطراف تک میں خاص طور سے بکثرت موجود تھے۔ ان میں سے کچھ تو تجارتی کاروبار کرتے تھے، کچھ ایرانیوں کے ماتحت سیاست وحکومت کے کاموں میں دخیل تھے اور کچھ آزاد زندگی بسر کر کے اپنا ذریعہ معاش تلاش کرتے تھے۔

عرب کے ان مشرقی اور جنوبی سواحل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانہ میں اسلام کی دعوت عام فرمائی، جہاں اساورہ، ان کی اولاد ابنائے یمن، سیابجہ اور زط عام طور پر موجود تھے۔ اس لیے یہاں کے مشرک اور مجوس عربوں کی طرح بہت سے عجمی باشندے بھی اسلام لائے۔ جن میں ایرانی، ہندی، سندھی اور حبشی وغیرہ سب ہی شامل تھے۔

---

(۱): رجال السند والہند، ص ۲۷۲۔

یمن میں دعوتِ اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

عرب کے ان عجمیوں میں ہماری تحقیق میں سب سے پہلے یمن کے علاقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام میں عام ہوئی اور یہاں کے عربی باشندوں کی طرح عجمی باشندے بھی مسلمان ہوئے۔ یمن کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے کہ کسریٰ انوشیرواں کے وقت میں یہاں پر سندھیوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ ان کی قوت و شوکت کا حال یہ تھا کہ جب حبشیوں نے یمن پر قبضہ کیا تو انوشیرواں نے وہاں کے عرب حاکم سیف بن ذی یزن سے دریافت کیا کہ:

ایّ الاغربه الحبشة ام السند (۱) کن اجنبی لوگوں نے قبضہ کیا ہے، حبشی یا سندھی؟

حضرت باذان حاکم یمن

بعد میں اسی یمن کے ایرانی حاکم حضرت باذان رضی اللہ عنہ سنہ ۶ یا ۷ نبوی میں اسلام لائے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ یمن پر کسریٰ کے قبضہ کے بعد پہلا ایرانی حاکم وہرز ہوا۔ پھر اس کا بیٹا مرزبان، پھر اس کا بیٹا تیجان، پھر اس کے بیٹے کو کسریٰ نے یمن کی حکومت دی، مگر بعد میں اسے معزول کر کے باذان کو حاکم بنایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک وہاں کا حاکم رہا۔ چنانچہ جب کسریٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر ہوئی تو اس نے باذان کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مکہ میں قریش کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ لہٰذا تم اس کے پاس جاؤ اور اس دعویٰ سے اس کو باز رکھنے کی کوشش کرو۔ اگر وہ توبہ کر لے تو خیر، ورنہ اس کا سر قلم کر کے میرے پاس بھیج دو۔ باذان نے خود جانے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسریٰ کا یہ خط بھیج دیا۔ آپ نے باذان کو جواب تحریر فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ کسریٰ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو قتل کر دیا جائے گا۔" جب باذان کے پاس یہ نامۂ نبویؐ آیا تو اس نے صورتِ حال کے انتظار میں اس کو روکے رکھا کہ اگر یہ شخص نبی برحق ہوگا تو اس کی بات سچ ہو کر رہے گی۔

(۱): سیرت ابن ہشام ج ۱، ص ۶۳، کتاب التیجان، ص ۳۰۴، تاریخ طبری ج ۲، ص ۱۱۶۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دن کسریٰ کے قتل ہونے کی خبر دی تھی، اُسی دن اس کے لڑکے شیرویہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں کسریٰ کے قتل کی تاریخ شب دوشنبہ ۱۰ جمادی الاخریٰ ۷ ہجری بتائی ہے۔ (۱)

باذان یہ معجزہ دیکھ کر اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔

فلما بلغ ذلك باذان بعث باسلامه واسلام من معه من الفرس الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت الرسل من الفرس لرسول الله صلى الله عليه وسلم الى من نحن يا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال انتم منا والينا اهل البيت (۲)

جب باذان کو کسریٰ کے قتل کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے اور اپنے ساتھی ایرانیوں کے مسلمان ہونے کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دی، ان ایرانی قاصدوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا شمار کن لوگوں میں ہو گا؟ آپ نے فرمایا تم لوگ ہمارے اہل بیت میں شمار کیے جاؤ گے۔

کتاب "السیرۃ المحمدیۃ الطریقۃ الاحمدیہ" میں ہے کہ جب باذان کے پاس کسریٰ کے مرنے کی خبر آئی تو وہ بیمار تھے۔ ان کے اساورہ نے جمع ہو کر دریافت کیا کہ کسریٰ کے قتل ہو جانے کے بعد اب ہم کس کو اپنا امیر و حاکم بنائیں۔ انہوں نے ان کو اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا مشورہ دیا۔

فاجتمعت له اساورته فقال! من نؤمر علينا؟ فقال اتبعوا هذا الرجل و ادخلوا فی دینه واسلموا (۳)

اساورہ نے ان کے پاس جمع ہو کر کہا کہ اب ہم کس کو اپنا امیر بنائیں تو انہوں نے مشورہ دیا کہ اس آدمی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کرو اور ان کے دین میں داخل ہو کر مسلمان ہو جاؤ۔

---

(۱): فتح الباری، ج۸، ص۱۰۴۔ (۲): سیرت ابن ہشام، ج۱، ص۶۹۔

(۳) سیرت محمدیہ فی ذکر کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم الی برویز بن ہرمز بن انوشیروان۔

حضرت باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی اساورہ شاہِ ایران کے گماشتے تھے، مگر جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، شاہانِ ایران کی فوج میں ہندوستان کے جاٹ اور مید بھی شامل تھے، اور ہندوستان کے فوجی سواروں کو بھی اساورہ کہا جاتا تھا جو بڑی تعداد میں ایرانی اساورہ کے ساتھ عرب میں پائے جاتے تھے۔ اس لیے حضرت باذانؓ اور دوسرے مسلمان ہونے والے اساورہ کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ایرانی تھے یا ہندوستانی یا دونوں تھے۔ بعض قرائن سے حضرت باذان کا ہندوستانی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے ''تجرید اسماء الصحابہ'' میں ان کا تذکرہ تین نسبتوں سے کیا: (۱) باذان الفارسی، (۲) باذان ملک الہند، (۳) باذان ملک الیمن۔ ان تینوں میں باذان سے مراد یہی حضرت باذانؓ ہیں، جنہوں نے کسریٰ کے قتل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اور اساورہ کے اسلام لانے کی خبر بھیجی تھی، ان کے تذکرہ میں ہے کہ:

(۱) ''بلغان الفارسی یمن کے ابناء میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اسلام لائے وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اسود عنسی کے قتل میں حصہ لیا۔''

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ:

(۲) باذان ملک الهند، ذكره ابن مفرز قال لما قتل كسرى بعث باذان باسلامه و اسلام من معه الى رسول الله صلى الله عليه وسلم حكاه ابن هشام۔''

باذان ملک الہند کے تذکرے میں ابن مفرز نے لکھا ہے کہ جب کسریٰ قتل کر دیا گیا تو انہوں نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اسلام کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دی۔ جیسا کہ ابن ہشام کا بیان ہے۔

(۳) پھر لکھا ہے کہ ''باذان ملک الیمن کا تذکرہ واقدی نے سبا کے اسلام لانے والوں میں کیا ہے۔ میرا خیال ہے یہ وہی باذان ہیں جنہوں نے اسود عنسی کے قتل میں کام کیا ہے۔ (۱)

ان تینوں ناموں میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ حضرت باذانؓ تینوں نسبتوں سے تاریخ میں متعارف ہیں۔ فارسی اس لیے کہلاتے ہیں کہ فارس کے رہنے والے تھے۔ کامل ابن اثیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت باذانؓ کا خاندان خراسان کے شہر مرو الروز

---

(۱): تجرید اسماء الصحابہ ج ۱، ص ۴۵، طبع حیدر آباد۔

کا تھا۔ چنانچہ عہدِ عثمانی میں ۳۱ھ میں جب حضرت احنف بن قیسؓ نے خراسان کو فتح کر کے مروالروز پر فوج کشی کی تو وہاں کے ایرانی حاکم نے جو حضرت باذانؓ کا قرابت دار تھا، صلح کر لی اور اس قرابت کو صلح کے لیے بہانہ بنایا۔

وکان مرزبانها من اقارب باذان صاحب الیمن فکتب الی الاحنف انه دعانی الی الصلح اسلام باذان فصالحه علی ستمائة الف (۱)

مروالروز کا حاکم باذان صاحب یمن کے رشتہ داروں میں سے تھا۔ اس نے احنف کو لکھا کہ میری صلح کا باعث باذان کا مسلمان ہو جانا ہے۔ چنانچہ اس نے حضرت احنفؓ سے چھ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی۔

اس تصریح سے حضرت باذانؓ کا فارسی ہونا بالکل واضح ہو جاتا ہے اور ملک الیمن ہونا بھی۔ اس لیے صحیح ہے کہ کسریٰ نے تیتجان کے بیٹے کو یمن کی حکومت سے معزول کر کے باذان کو وہاں کا حاکم بنایا اور ان کی حکومت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک رہی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گئے۔

باقی رہا باذان کا ملک الہند ہونا، تو یوں کہ ان کا خاندان پہلے ہندوستان میں کسی جگہ حکمران رہا ہو اور یہاں کے بے شمار راجوں مہاراجوں کی طرح کسی علاقہ کی حکومت یا کسی مہاراجا کی نیابت حاصل رہی ہو اور بعد میں اس خاندان نے فارس جا کر ایرانی دربار میں اپنی حاکمانہ صلاحیت کا ثبوت دیا ہو اور شاہان ایران نے مروالروز کی مرزبانیت یعنی نیابت عطا کر دی ہو، جس طرح ہندوستان کے اساورہ ایرانیوں کی فوج اور حکومت میں رہا کرتے تھے۔ مگر حافظ ابن حجر کے نزدیک حضرت باذانؓ کے ملک الہند ہونے میں کلام ہے۔ انہوں نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ باذان الفارسی اور باذان ملک الیمن دونوں قطعاً ایک ہی شخص ہیں اور باذان ملک الہند کے بارے میں خیال ہے کہ اسے ملک الیمن ہونا چاہیے۔

قوله ملک الهند فیه نظر و الصواب ملک الیمن (۲)

ذہبی نے باذان کو جو ملک ہند بتایا ہے اس میں نظر اور کلام ہے اور صحیح ملک یمن ہے۔

صاحب سیرۃ محمدیہ نے بھی حافظ ابن حجر کی موافقت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

---

(۱): کامل ابن اثیر ج ۳، ص ۱۴۸۔ (۲): الاصابہ ج ۱، ص ۱۷۹، طبع جدید مصر۔

ولعله بحف فی لفظ ملک الهند لعله ملک الیمن فکتب کلمة الهند مکان الیمن و الله اعلم (۱)	شاید ملک ہند میں سہو ہو گیا ہو اور شاید ملک یمن ہو اور یمن کی جگہ ہند لکھ دیا ہو۔

حافظ ابن حجر کا خیال مسلّم ہے۔ مگر حافظ ذہبی کے خیال کو بھی اگر صحیح تسلیم کر لینے کی وجہ مل جائے تو ایک حافظ حدیث مؤرخ اسلام اور امام علم وفن کی طرف غلطی یا تصحیف کی نسبت سے بہتر ہوگا، جو حافظ ابن حجر سے کسی طرح کم درجہ کے نہیں ہیں۔ ہم نے حضرت باذان کو ملک الہند کہنے کی جو وجہ بیان کی ہے، گو وہ زیادہ قوی نہیں ہے، مگر قابل غور ضرور ہے اور اس سے حافظ ذہبی کی بات سمجھ میں آ سکتی ہے۔

حضرت بیرزطن ہندی یمنی

اسی علاقہ یمن کے ایک خالص ہندوستانی بزرگ حضرت بیرزطن ہندی یمنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ ہندوستانی طریقہ علاج کے ماہر طبیب تھے۔ انہوں نے بڑی عمر پائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اسلام قبول کیا۔ لیکن آپ سے ملاقات کا ثبوت نہیں ملتا۔ حافظ ابن حجر نے ان کا تذکرہ ''الاصابہ'' کی تیسری فصل میں کیا ہے جس میں ایسے حضرات کا بیان ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پایا ہے اور آپ کی حیات طیبہ ہی میں یا اس کے بعد اسلام لائے۔

ان کا تذکرہ ''اصابہ'' میں اسی طرح ہے کہ شیخ حسن بن محمد شیرازی نے کتاب ''السوانح'' میں اپنے شیخ جعفر بن محمد شیرازی کی روایت سے لکھا ہے:

بیرزطن الهندی، شیخ کان فی زمن الأکاسرة له خبر مشهور فی حشیش القنب و انه اول من اظهرها بتلک البلاد، و اشهر امرها عنه بالیمن، ادرک هذا	بیرزطن ہندی، شاہان ایران کے زمانہ میں ایک بوڑھے آدمی تھے، بھنگ کے علاج میں ان کا واقعہ مشہور ہے، اس کو ان اطراف میں سب سے پہلے انہی نے رواج دیا تھا اور یمن میں اس کی شہرت ان کی وجہ سے ہوئی، انہوں

(۱): السیرة الحلبیہ فی ذکر کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم الی برویز بن ہرمز بن کسریٰ۔

الشيخ الاسلام فاسلم (۱) نے اسلام کا زمانہ پایا اور اسے قبول کیا۔

حضرت بیرزطن ہندی رضی اللہ عنہ وہ پہلے خوش قسمت ہندوستانی ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یا کم از کم آپ کے زمانہ سے قریب تر عہد پایا۔ اس قربت زمانی کے ساتھ قربت مکانی میں بھی پہلے ہندوستانی باشندے ہیں۔

حضرت باذان ؓ حاکم یمن اور ان کے اساورہ کے اسلام لانے کے بعد جن میں ایرانی، ہندوستانی اور سندھی سب ہی شامل تھے، یمن اور اطراف میں عربوں کی طرح عام عجمی باشندے بھی اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے مسلمانوں پر حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ کو اپنا حاکم مقرر فرمایا۔ طبری کا بیان ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم توفى، وقد فرق فيهم عماله فكان الزبرقان ابن بدر على الرباب، وعوف والابناء فيما ذكر السريُّ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال اس حالت میں ہوا کہ آپ اپنے عمال کو عربوں میں مقرر فرما چکے تھے۔ چنانچہ زبرقان بن بدر کو قبیلہ رباب اور عوف اور ابنائے یمن پر مقرر فرمایا تھا۔ جیسا کہ سری نے ذکر کیا ہے۔

نجران میں دعوت اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

یمن کے مشہور علاقہ نجران میں بھی ہندوستانی موجود تھے۔ چنانچہ ۱۰ ہجری میں جب نجران سے بنی حارث بن کعب کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ؐ نے ان کو دیکھتے ہی ان پر ہندوستانی ہونے کا شبہ ظاہر فرمایا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ:

---

(۱): "الاصابہ" فی تمیز الصحابہ جلد ۱، ص ۱۷۱، طبع جدید مصر۔ میں نے قدیم مصری نسخہ پر اعتماد کر کے جو کلکتہ اور مصر کے مطبوعہ کو سامنے رکھ کر چھپا تھا، "رجال السند والہند" ص ۸۶ میں ان کا نام بیرزطن ہندی لکھا ہے، مگر "اصابہ" کے جدید نسخہ میں بیرزطن ہے اور اس کی صحت کے بارے میں درج ہے کہ "**قوبلت هذه الطبعة على عدة نسخ بدار الكتب المصرية وعلى جملة نسخ مطبوعة بمصر**۔" اس لیے اب بیرزطن ہی کو صحیح سمجھنا چاہیے۔

(۲): تاریخ طبری ج ۳، ص ۲۴۱۔

من هولاء القوم الذی کانهم رجال الهند (۱)

یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستانی آدمی معلوم ہوتے ہیں

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف و جوانب کے امراء و حکام کو دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے تو نجران کے عام باشندوں کے نام بھی ایک دعوت نامہ روانہ فرمایا۔ امام طبریؒ لکھتے ہیں:

وکتب النبی صلی اللہ علیه وسلم الیٰ اهل نجران الیٰ عربهم وساکنی الارض من غیر العرب فثبتو افتخوا وانضموا الیٰ مکان واحدٍ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عربوں اور وہاں آباد غیر عرب باشندوں کے پاس خط لکھا۔ اس پر وہ لوگ اسلام پر قائم رہتے ہوئے اپنی جمعیت لے کر ایک مقام پر رہنے لگے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر عرب باشندگان نجران میں وہاں کے ایرانیوں کی طرح ہندوستان اور سندھ کے باشندے بھی داخل رہے ہوں گے۔ جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پر لبیک کہا اور اپنی ایک الگ بستی بنالی تھی۔

بحرین اور عمان وغیرہ میں دعوتِ اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

گزشتہ تصریحات سے معلوم ہو چکا ہے، کہ عراق کے شہر ابلہ سے لے کر خلیج عربی کے پورے طفوف و سواحل اور سیف میں میں ہندوستانیوں کی مختلف جماعتیں مختلف ناموں سے پھیلی ہوئی تھیں، اور بحرین و عمان کے تمام علاقے ان سے آباد تھے، جن میں خط، قطیف، آرہ، ہجر، بینونہ، زارہ، جواثا، سابور، دارین، غابہ اور دبا وغیرہ شامل تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاتِ طیبہ کے آخری حصہ میں عرب کے ان سواحل اور ان کے اطراف کے عوام و خواص کو اسلام کی دعوت کے خطوط روانہ فرمائے۔ جن میں یہاں کے عربوں کی طرح یہاں کے ہندوستانی باشندے بھی مخاطب تھے۔

عمان میں نامۂ مبارک کے جانے کا حال حافظ ابن عبدالبر نے ''استیعاب'' میں

(۱): سیرت ابن ہشام، ج۲، ص۵۹۳ و تاریخ طبری، ج۳، ص۱۵۶۔

(۲): تاریخ طبری، ج۳، ص۲۱۶۔

اور حافظ ابن حجر نے "اصابہ" میں حضرت ابوشداد زماری عمانی رضی اللہ عنہ کے حالات میں ان کی زبانی اس طرح نقل کیا ہے کہ ہمارے پاس عمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ آیا تو کوئی ایسا آدمی نہ مل سکا جو اسے پڑھ کر سنا سکے۔ ہم نے ایک لڑکے کو بلا کر اسے سنا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوشدادؓ سے دریافت کیا کہ اس وقت عمان پر کون حاکم تھا، تو انہوں نے بتایا کہ:

اسوار من اساورة کسریٰ (۱)	کسریٰ کے اساورہ میں سے ایک اسوار حکمران تھا۔

ظاہر ہے کہ عمان کے ایرانی حاکم اسوار کے معین و مددگار دوسرے اساورہ بھی وہاں تھے۔ جیسا کہ عرب کے ایرانی مقبوضات میں ایرانیوں کی حکومت کا طریقہ تھا، معلوم ہو چکا ہے کہ ایران کے اساورہ میں ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ وغیرہ شامل تھے۔ اس لیے عمان کے یہ جاٹ وغیرہ بھی اس نامۂ مبارک کے مخاطب رہے ہوں گے۔

وضائع کسریٰ کون تھے؟

بحرین کے مشہور مرکزی مقام ہجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے کسریٰ کے خدام و متوسلین کو دعوت اسلام دی اور اس کے لیے مستقل آدمی یا خط بھیجا۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں:

بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم الى وضائع کسریٰ بهجر فلم يسلموا فوضع عليهم الجزية ديناراً علىٰ كل رجل منهم (۲)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر میں کسریٰ کے یرغمالوں کے پاس اسلام کی دعوت بھیجی اور جب وہ اسلام نہیں لائے تو ان کے ہر مرد پر ایک دینار سالانہ جزیہ مقرر کر دیا۔

"وضائع کسریٰ" کون لوگ تھے؟ اور عرب میں ان کی حیثیت کیا تھی؟ اس کے متعلق "لسان العرب" کا بیان ہے:

والوضيعة قوم من الجند يو ضعون في كورة، لا يغزون منها	وضیعہ وہ سپاہی ہیں جو ضلع میں رکھے جاتے ہیں اور وہ اس سے باہر جنگ نہیں کرتے اور

(۱): الاستیعاب بر حاشیہ اصابہ، ج ۴، ص ۱۰۵۔ (۲): فتوح البلدان، ص ۹۲۔

والوضائع والو ضيعة قوم كان كسرىٰ ينقلهم من ارضهم فيسكنهم ارضا اخرى حتى يصيروا بها وضيعة ابداً وهم الشحن والمسالح قال الازهرى والوضيعة الوضائع الذين وضعهم كسرىٰ فهم شبه الرهائن كان يرتهنهم وينزلهم بعض بلاده (۱)

وضائع ایک جماعت تھی جسے کسریٰ اس کے وطن سے منتقل کر کے دوسری جگہ آباد کرتا تھا، جہاں وہ ہمیشہ اس خدمت کے لیے مخصوص رہتے۔ وہ فوج اور سپاہی کا کام دیتے تھے۔ ازہری کا قول ہے کہ وضیعہ وہ لوگ ہیں جن کو کسریٰ نے ذلیل کیا تھا۔ وہ یرغمال کے مشابہ تھے جن کو وہ اپنے بعض علاقوں میں آباد کرتا رہتا تھا۔

وضیعہ اور وضائع کے اس مفہوم میں اگرچہ کسریٰ کے نوکر چاکر اور بیگار قسم کی سپاہی شامل ہیں مگر ان میں ہندوستان کے جاٹوں اور دوسری جماعتوں کا موجود ہونا بھی قرین قیاس ہے۔ اس لیے وہ بھی دعوتِ اسلام کے مخاطب رہے ہوں گے۔

قطیف، خط اور دارین میں دعوتِ اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

اسی طرح ہجر اور اس کے اطراف کے شہر قطیف اور خط، دارین وغیرہ ہیں۔ ان میں عہد رسالت میں جاٹ اور سیابجہ کی اچھی خاصی آبادی تھی، اور آپ کی وفات کے بعد جب ان اطراف میں ارتداد کی وبا پھوٹی تو حطم بن ضیعہ مرتدین سے الگ بچے کھچے کفار کی جماعت کو لے کر اور یہاں کے زط اور سیابجہ کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہوا۔

حتى نزل القطيف و هجروا سطوى الخط ومن فيها من الزط والسيابجة وبعث الى دارين (۲)

حطم نے قطیف اور ہجر میں آ کر مقام خط کے باشندوں کو گمراہ کیا۔ نیز یہاں کے جاٹ اور سیابجہ کو بہکا کر دارین کی طرف بھیجا۔

اس سے ظاہر ہے کہ خط کے پورے علاقے کے وہ ہندوستانی بھی مکتوب نبوی کے مخاطب تھے، جنہوں نے بعد میں حطم بن ضیعہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔

بحرین پر عہد رسالت میں فارس کی حکومت تھی اور اس کے اطراف و جوانب میں

(۱): لسان العرب ج ۸، ص ۳۹۹۔ (۲): تاریخ طبری ج ۳، ص ۲۵۵، ۲۵۶۔

عجمیوں اور ایرانیوں کی بستیاں تھیں، عرب قبائل میں عبدالقیس، بکر بن وائل اور بنو تمیم بدوی زندگی بسر کرتے تھے، چونکہ وہاں ان ہی عربوں کی کثرت تھی۔ اس لیے ایرانیوں کی طرف سے وہاں کے حکمران عرب ہی مقرر کیے جاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہاں کے عرب حاکم حضرت منذر بن ساوی رضی اللہ عنہ تھے۔

ہجر میں دعوتِ اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

اسی طرح بحرین کا مرکزی شہر ہجر اس وقت بہت آباد تھا، جہاں عربوں کے علاوہ اہل عجم میں سے یہود ونصاریٰ اور اور مجوس کی بڑی تعداد آباد تھی۔ عہد رسالت میں یہاں شاہ ایران کی طرف سے حضرت سیبخت مرزبان تھے۔ ہجر کے باشندوں کے لیے تاریخ میں اہل فرس، اہل عجم اور اہل ارض وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں۔ جن میں مجوس، یہود اور نصاریٰ سب شامل ہیں اور ان ہی میں ہندوستان کے زط، سیابجہ اور اساورہ بھی تھے۔ جن پر مجوس کا اطلاق ہوتا تھا کیونکہ عرب میں ہندوستانی باشندوں کو مجوس میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی معاملہ کیا ہوگا جو عام مجوس ہجر وغیرہ کے ساتھ فرمایا۔

بلاذریؒ نے ''فتوح البلدان'' میں لکھا ہے کہ ۸ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن عبداللہ بن عماد حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین اور ہجر میں اسلام کا داعی بنا کر روانہ فرمایا اور ان کے ذریعہ منذر بن ساوی حاکم بحرین اور سیبخت مرزبان ہجر کو خطوط روانہ کیے جن میں اسلام کی دعوت تھی اور اس دعوت پر انہوں نے لبیک کہا۔

فاسلما واسلم معهما جميع العرب، هناک وبعض العجم فاما اهل الارض من المجوس واليهود والنصارىٰ فانهم صالحوا العلاء	یہ دونوں حاکم اسلام لائے اور ان کے ساتھ وہاں کے تمام عرب باشندے اور کچھ عجمی اسلام لائے مگر وہاں کے آباد مجوس، یہود اور نصاریٰ نے اسلام نہیں قبول کیا اور حضرت علاءؓ سے صلح کر لی۔

حضرت علاء حضرمیؓ نے بحرین کے ان غیر مسلموں کے لیے یہ صلح نامہ تحریر فرمایا:

بسم الله الرحمٰن الرحيم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
هذا ما صالح عليه العلاء	اس صلح نامہ کے مطابق علاء حضرمی نے اہل

الحضرمی أهل البحرين، صالحهم على ان يكفونا العمل ويقاصمونا التمر فمن لم يف بهذا فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين۔	بحرین سے صلح کی اور یہ شرط قرار پائی کہ وہ کھجور کے باغات میں خود کام کریں گے اور کھجور میں ہمارا حصہ بھی لگائیں گے۔ جو اس شرط کو پورا نہیں کرے گا اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، اور
واما جزية الرؤوس فانه اخذلها من كل حالم ديناراً	جزیہ کا حساب یہ ہے کہ ہر بالغ مرد سے ایک دینار لیا جائے گا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے مسلمانوں کے نام یہ مکتوب روانہ فرمایا:

امابعد: فانكم اذا اقمتم الصلوة واتيتم الزكوة، ونصحتم الله ورسوله واتيتم عشر النخل ونصف عشر الحب ولم مجسوا اولادكم فلكم ما اسلمتم عليه غير ان بيت النار الله و رسوله وان ابيتم فعليكم الجزية (۱)	حمد وصلوٰۃ کے بعد: اگر تم لوگ نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ ادا کرو گے اور اللہ و رسول کی خیر خواہی کرو گے اور کھجوروں کا عشر اور غلہ کا نصف عشر دو گے اور اپنی اولاد کو مجوس نہیں بناؤ گے، تو جس حالت میں مسلمان ہوئے ہو اس کے تمام حقوق تم کو حاصل رہیں گے۔ البتہ آتش کدہ اللہ و رسول کے تصرف میں ہوگا اور اگر تم ان شرائط کا انکار کرو گے تو پھر تم پر جزیہ لازم ہوگا۔

اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بحرین میں جنگ اور قتال کی نوبت نہیں آئی، بلکہ بہت سے باشندوں نے جن میں عربی قبائل زیادہ تھے، برضا ورغبت اسلام قبول کرلیا اور کچھ لوگوں نے جن میں زیادہ تر عجم کے مجوسی اور کچھ یہودی تھے، اسلام قبول کرنے کے بجائے حضرت علاء حضرمیؓ سے غلہ اور کھجور کی نصف پیداوار کی تقسیم پر صلح کرلی۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء حضرمیؓ کو بحرین اور ہجر میں ۶ ہجری میں روانہ فرمایا تھا، جب آپ نے اطراف و جوانب کے

(۱): فتوح البلدان، ص ۸۹۔

بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام اسلام کے دعوت نامے روانہ فرمائے تھے۔

مقام ہجر کا معاملہ بحرین سے کچھ مختلف رہا۔ یہاں مجوسیوں کی آبادی زیادہ تھی جب یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسلام کی دعوت آئی تو یہاں کے عربوں نے بھی عام طور سے اسلام قبول کر لیا۔ مگر مجوسیوں اور یہودیوں نے یہاں بھی اسلام کے مقابلہ میں جزیہ دینا قبول کر لیا۔

ودعا اھل ھجر فکانوا بین راض وکارہ اما العرب فاسلموا، واما المجوس والیھود فرضوا بالجزیۃ فاخذت منھم (۱)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہجر کو اسلام کی دعوت دی جسے کچھ لوگوں نے پسند کیا اور کچھ نے پسند نہیں کیا۔ عرب تو مسلمان ہو گئے مگر مجوس اور یہود جزیہ ادا کرنے پر راضی ہوئے اور ان سے جزیہ وصول کیا گیا۔

بحرین اور ہجر سے جزیہ کی جو پہلی قسط آپ کی خدمت میں آئی تھی، اس کی تعداد اَسّی ہزار تھی۔ آپ کی زندگی میں باہر سے اتنی کثیر آمدنی نہ اس سے پہلے ہوئی نہ اس کے بعد۔

عرب میں آباد ہندوؤں کے ساتھ مجوس اور صابئہ جیسا معاملہ کیا گیا

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عرب میں ہندوستان کے بت پرست مجوس اور صابئہ کے زمرے میں... شمار ہوتے تھے۔ اس بنا پر ان میں سے جو لوگ اسلام لائے ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں جیسا معاملہ فرمایا اور جو اپنے مذہب پر قائم رہے، ان کے ساتھ صابئہ اور مجوس کا معاملہ کیا گیا اور صابئہ کو مجوس میں شمار کر کے مشرکین عرب، اہل کتاب، یہود و نصاریٰ اور مجوس کے الگ الگ احکام جاری کیے گئے۔ چنانچہ مجوس ہجر کو جن میں صابئہ بھی داخل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب لکھا جس کا متن یہ ہے:

کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی مجوس ھجر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں کے نام خط لکھا جس میں آپ نے

(۱): فتوح البلدان ص ۹۱۔

يدعوهم الى الاسلام فان اسلموا فلهم مالنا و عليهم ما علينا ومن ابى فعليه الجزية فى غير اكل لذبائحهم ولا نكاح نسائهم (۱)

ان کو اسلام کی دعوت دی کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ان کے وہی حقوق ہیں جو ہمارے ہیں اور ان پر وہی ذمہ داری ہے جو ہم پر ہے اور جو اسلام سے انکار کرے، اس پر جزیہ ہوگا نہ ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا۔

اس دعوت پر ہجر کے عرب قبائل اسلام لائے اور یہود اور مجوس نے اپنے مذہب پر رہ کر جزیہ دینا منظور کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں بھی صابئہ کو مجوس میں شامل کر کے ان سے بھی جزیہ وصول کیا گیا۔ امام حسن بصری اور امام حکم بن عتبہ کی تحقیق یہی ہے کہ صابئہ مجوس کے درجہ میں ہیں۔ امام مجاہد بھی یہی کہتے ہیں کہ فرقۂ صابئہ مشرکین کی ایک شاخ ہے جو یہود و نصاریٰ کے بین بین ہے اور اس کے پاس کتاب نہیں ہے۔ امام اوزاعی کا قول ہے۔

كل دين بعد الاسلام سوى اليهودية والنصرانية فهم مجوس (۲)

اسلام کے بعد یہودیت اور نصرانیت کے علاوہ جتنے ادیان ہیں سب مجوسیت ہیں۔

ان اقوال و تصریحات کا مطلب یہ ہے کہ مجوس، عرب کے یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے الگ ایک مستقل فرقہ ہے۔ جس میں فرقہ صابئہ بھی شامل ہے اور اسلام اور یہودیت و نصرانیت کے بعد دوسرے تمام اہل مذاہب پر مجوس کا اطلاق ہوتا ہے اور ان سے اسلام نہ قبول کرنے کی صورت میں جزیہ لیا جاتا ہے، چاہے وہ مشرک و بت پرست ہوں یا آتش پرست اور کواکب پرست ہوں۔ نہ ان کا ذبیحہ کھایا جا سکتا ہے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جا سکتا ہے اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ یہ دونوں باتیں جائز ہیں اور یہی حکم ان ہندوؤں پر بھی جاری ہوا جو بحرین، عمان اور ہجر وغیرہ میں تھے اور ایمان نہیں لائے تھے۔ ان کو مجوس اور صابئہ میں شمار کر کے ان سے بھی جزیہ وصول کیا گیا اور ان کا ذبیحہ

(۱): فتوح البلدان، ص ۹۱۔ (۲): کتاب الاموال ص ۵۴۵، ۵۴۶۔

اوران کی عورتوں سے نکاح ناجائز قرار پایا۔

عرب کے ہندو مجوس اور صابئہ میں شمار کیے جاتے تھے، جیسا کہ شہرستانی نے لکھا ہے:

ومنهم من يميل الى مذهب الثنوية — ہندوؤں میں سے کچھ مذہب ثنویہ کی طرف مائل ہیں۔

دوسری جگہ لکھا ہے:

ثم الثنوية اختصت بالمجوس (۱) — ثنویت مجوسیوں کے ساتھ خاص ہے۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں

واكثرهم على مذهب الصائبة (۲) — ہندوستان کے اکثر باشندے صابئہ کے مذہب پر ہیں۔

ابن ساعد اندلسی نے ''طبقات الامم'' میں بھی عام ہندوستانیوں کو صابئہ ہی بتایا ہے:

واما الصائبه وهم جمهور الهند ومعظمها (۳) — ہندوستان کے جمہور اور بڑی آبادی صابئہ ہے۔

ان تصریحات کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے ہندو نہ اہل کتاب تھے اور نہ مشابہ اہلِ کتاب، بلکہ مشرک تھے اوران کو مجوس اور صابئہ میں شمار کیا جاتا تھا، یعنی نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز تھا اور نہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال تھا۔

======

(۱): الملل والنحل شہرستانی، ج ۲، ص ۱۱۵۔ (۲): ایضاً۔ (۳) طبقات الامم، ص ۱۵۔

پیغمبرِ اسلام
اور
ہندوستان کے باشندے

رسولؐ اور صحابہؓ کی زبان پر ہندوستان کا نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ ہندوستان کے لوگوں اور یہاں کی چیزوں سے اچھی طرح واقف تھے اور متعدد مواقع پر آپ کی زبان مبارک پر اس کا ذکر آیا ہے۔ امام ابن ابی حاتم رازیؒ، امام ابو عبداللہ حاکمؒ، امام ابن جریر طبریؒ اور امام سیوطیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت کی ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے:

ان اول ما اهبط الله آدم الى ارض الهند، وفي لفظ بدجنى ارض الهند (۱)

حضرت آدمؑ سب سے پہلے سرزمین ہند میں اتارے گئے اور ایک روایت میں ہے کہ سرزمین ہند کے دکھن میں اتارے گئے۔

علماء کا قول ہے کہ یہاں پر دجنیٰ دکھن یا دکھنا کا معترب ہے اور اس سے مراد سرندیپ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت آدمؑ پہلے مکہ میں بیت اللہ کی جگہ پر اتارے گئے تھے، پھر یہاں سے ہندوستان گئے۔

(۱): سبحۃ المرجان فی آثار الہندوستان، از غلام علی آزاد، ص ۲، طبع بمبئی۔

فتخطی فاذا هو بارض الهند فمكث هنالك ماشاء الله ثم استوحش الى البيت (۱)

آدمؑ مکہ سے چل کر ہندوستان پہنچے اور جب تک اللہ نے چاہا وہاں رہے، پھر بیت اللہ کی طرف لوٹ آئے۔

مشہور تابعی عالم حضرت عطاء ابن ابی رباح نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے:

ان آدم هبط بارض الهند ومعه اربعة اعوادٍ من الجنة فهي هذه التي يتطيب الناس بها و انه حج هذا البيت (۲)

آدم سرزمین ہند میں اتارے گئے اور ان کے ساتھ جنت کی چار شاخیں بھی تھیں، جن سے لوگ خوشبو حاصل کرتے ہیں۔ انہوں نے وہاں سے بیت اللہ کا حج بھی کیا۔

ہندوستان میں جہاد کرنے کی فضیلت و بشارت

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں ہندوستان جانا پہچانا ملک تھا بلکہ اس کے متعلق حضرت آدمؑ کی وجہ سے ایک گونہ احترام کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ اس سے بڑھ کر اہم روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان میں جہاد کرنے کی پیش گوئی فرماتے ہوئے اس میں شریک ہونے والوں کو نارِ جہنم سے مامون و محفوظ ہونے کی بشارت دی ہے۔ امام نسائیؒ نے اپنی سنن میں اس حدیث کے لیے "باب غزوة الهند" کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور امام طبرانیؒ نے معجم میں اس کی سند کو جید بتایا ہے۔ حضرت ثوبانؓ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عصابتان من امتي احرزهما الله من النار، عصابة تغزو الهند وعصابة تكون مع عيسىٰ بن مريم عليهما السلام (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھا ہے۔ ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ گروہ جو حضرت عیسیٰؑ بن مریم کا ساتھ دے گا۔

(۱): القری مقاصد ام القری، محب الدین طبری مکی، ص ۲۲، طبع مصر۔ (۲): ایضاً ص ۲۱۔
(۳): سنن نسائی باب غزوة الهند۔

اسی بشارت نبوی پر حضرت ابو ہریرہؓ نے ہندوستان کے جہاد میں شرکت کی آرزو اور جان قربان کرنے کی پیشکش کی۔ چنانچہ مسند احمد اور سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

وعدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم غزوة الهند، فان ادركتها انفق فيها نفسي و مالي، فان اقتل كنت افضل الشهداء وان ارجع فانا ابوهريرة المحرر (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر میں اس میں شریک ہو سکا تو اپنا جان و مال اس میں قربان کروں گا اور اگر مارا گیا تو بہترین شہید بنوں گا اور اگر زندہ واپس ہوا تو میں نارِ جہنم سے آزاد ابو ہریرہ رہوں گا۔

ہندوستانیوں اور ہندوستانی چیزوں سے واقفیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ہندوستان کے لوگوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ بخاری میں مذکور ہے کہ حدیث معراج میں آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جاٹوں سے تشبیہ دی۔ ترمذی میں ہے کہ ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جنات کو جاٹوں سے تشبیہ دی۔ اسی طرح سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب نجران سے بنی کعب کے لوگ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہندوستان کے آدمیوں سے تشبیہ دی اور دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ عہد رسالت میں ہندوستان کی بہت سی اشیاء کا استعمال عام تھا۔ ان کے نام اور خواص سے لوگ واقف تھے۔ کافور، زنجبیل، عود ہندی، عود، مشک، قرنفل، فلفل، ہندی نیزے، ہندی تلوار، ہندی کپڑے وغیرہ روزمرہ کی زندگی میں استعمال کیے جاتے تھے اور قرآن و حدیث میں ان کے نام موجود ہیں۔ غرض ہندوستان، یہاں کے باشندے اور یہاں کی چیزیں اس وقت عام طور سے مشہور و متعارف تھیں اور پڑوسی ملک ہونے کی حیثیت سے دونوں ملکوں میں مختلف قسم کے تعلقات تھے۔ اس تعلق و تعارف نے ہندوستان میں اسلام کو بہت جلد متعارف کرایا اور جانبین سے دینی و روحانی تعلقات بہت زیادہ استوار ہو گئے۔

(۱): سنن نسائی باب غزوہ الہند، نیز یہ دونوں روایتیں مزید تفصیل کے ساتھ سبحۃ المرجان ص ۲۱ پر موجود ہیں۔

ہندوستان کے باشندوں کی اسلام اور پیغمبرؐ اسلام سے واقفیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کے مختلف علاقوں میں ہندوستان کے لوگ آتے جاتے تھے اور وہاں مستقل آباد بھی تھے۔ خود مکہ میں جو کہ اس زمانہ میں بہت بڑا مذہبی اور تجارتی مرکز تھا اور قریشی تاجروں کی وجہ سے یمن اور شام کے درمیان تجارتی کاروبار کی منڈی تھا، ہندوستان کے تاجر اور صناع موجود تھے۔ چنانچہ ابوطالب کے ایک شعر میں ہندوستانی عورت کا نشان ملتا ہے اور ابن مسعودؓ کی روایت میں جاٹوں کا ذکر ہے اور بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں ہندوستانی کاریگر تلواریں بناتے تھے۔ نیز عرب کے باشندے مشرق میں ہندوستان اور چین کا تجارتی سفر کرتے تھے۔ اسی طرح ہندوستان کے تاجر و صناع عرب میں آتے جاتے تھے۔ ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت کا چرچا ہندوستان تک ہونا یقینی تھا، خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ آپ کی بعثت نے مکہ کے قریشی تاجروں میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا اور وہ بازاروں، موسمی میلوں اور حج کے مواقع میں آپؐ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے۔ ان مخالفانہ سرگرمیوں نے بہت سے غیر ملکیوں میں آپ کی خبر پہنچائی۔ چنانچہ جب ایرانیوں کے بادشاہ کسریٰ کو آپؐ کے دعوائے نبوت کی خبر ملی تو اس نے اپنے یمن کے حاکم باذان کو آپؐ کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم دیا۔ روم میں جب اس کی خبر پہنچی تو ہرقل نے قریش کے تاجر ابوسفیان سے آپؐ کے بارے میں تحقیقات کی۔ اس طرح جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے تو نجاشی کو اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کے بارے میں معلومات ہوئیں۔ غرض مکی زندگی ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت پڑوسی ممالک میں عام ہو گئی تھی، اس لیے یقین ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان میں بھی آپؐ کے بارے میں خبریں پہنچ چکی ہوں گی، مگر مستند تاریخوں سے اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ مکی زندگی ہی میں آپؐ کا چرچا ہندوستان میں بھی ہوا ہو۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں ظاہر ہونے والے معجزۂ شق القمر کا مشاہدہ ہندوستان میں ہوا اور اس کے نتائج بھی ظاہر ہوئے، مگر یہ بات بھی تاریخی اعتبار سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

البتہ مکہ سے مدینہ ہجرت کے بعد جب کفار و مشرکین سے باقاعدہ جنگ شروع

ہوئی اور مسلمان کھل کر دعوت اسلام کو عام کرنے لگے تو دُور دراز ممالک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہو گیا۔ اس کے بعد ہی ہندوستان کے بعض مذہبی طبقوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا وفد بھیجا اور بعض راجوں اور مہاراجوں نے آپ کی خدمت میں ہدیے بھیجے۔ اس سلسلہ میں دو واقعات زیادہ مشہور اور مستند ہیں۔ ایک سرندیپ کے جوگیوں اور سنیاسیوں کا اس غرض سے آپؐ خدمت میں مدینہ منورہ میں اپنا وفد روانہ کرنا کہ وہ آپ سے براہِ راست اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرے، اور دوسرا ہندوستان کے ایک راجا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدمت میں زنجبیل کا ہدیہ بھیجنا، جسے آپؐ نے خود بھی تناول فرمایا اور صحابۂ کرام کو بھی کھلایا۔

سرندیپ کا وفد

بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی چوتھی صدی ہجری کا مشہور جہاز راں اور سیاح ہے۔ وہ عرب سے ہندوستان اور چین تک جہاز رانی کرتا تھا۔ اس نے اپنی کتاب ''عجائب الہند'' میں یہاں کے ساحلی مقامات کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں۔ اس نے سرندیپ کے جوگیوں اور سنیاسیوں کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحقیقاتی وفد جانے اور اس کے اثرات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وکان اهل سرنديب وما والاها لما بلغهم خروج النبي صلى الله عليه وسلم فارسلوا رجلاً فهماً منهم وامروه ان يسير اليه فيعرف امره وما يدعو اليه فعاقت الرجل عوائق و وصل الى المدينة بعد ان قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم وتوفي ابوبكر، و وجد القائم بالامر	سرندیپ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے ایک سمجھدار آدمی کو مدینہ بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہ آپ کے پاس جا کر آپ کے حالات کی اور آپ کی دینی دعوت کی تحقیق کرے، مگر اس آدمی کے سامنے کچھ مشکلات آ گئیں اور وہ اس وقت مدینہ منورہ پہنچا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما چکے تھے، بلکہ حضرت ابوبکرؓ بھی وفات پا چکے تھے، اور حضرت عمرؓ بن الخطاب خلافت پر متمکن تھے، اس

عمر بن الخطاب رضی الله عنه فسالـه عـن امر النبی صلی الله علیه وسلم فشرح له و بین	لیے آپ ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور آپ نے اس سے شرح وبسط کے ساتھ تمام باتیں بیان کیں۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ نمائندہ سرندیپ کے لیے بحری راستہ سے روانہ ہوا مگر مکران کے قریب اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس کے ساتھ ایک ہندوستانی نوکر تھا، وہ تنہا سرندیپ پہنچا۔ اس نے لوگوں سے پورا ماجرا بیان کیا اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا ہے۔ ان کے پہلے خلیفہ ابوبکرؓ کا بھی انتقال ہو چکا ہے اور اس وقت ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عمر بن الخطابؓ کو صاحب حکم وامر پایا۔ اس نے اہل سرندیپ سے حضرت عمرؓ کی تواضع اور خاکساری کا حال بیان کیا اور بتایا کہ وہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں اور مسجد میں بلاتکلف سو جاتے ہیں۔ اس کا اثر اہل سرندیپ پر بہت اچھا پڑا۔

فتواضعهم لاجل ماحكاالهم ذلک الغلام، ولبهم الثياب الموقعة لما ذكره من لبس عمر رضی الله عنه المرقعة ومحبتهم للمسلمين و ميلهم اليهم لما فی قلوبهم مما حكاه ذلک الغلام عن عمر رضی الله عنه	سرندیپ کے لوگوں کی تواضع اور فروتنی کا سبب وہی باتیں ہیں جن کو اس خادم نے بیان کیا تھا۔ اور ان کا پیوند لگے کپڑے پہننا اسی وجہ سے ہے کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا تھا کہ انہوں نے ایسا کپڑا پہنا تھا اور ان کا مسلمانوں سے میل محبت رکھنا بھی اسی لیے ہے کہ خادم نے حضرت عمرؓ کی تواضع کا ذکر کیا تھا۔

اس وقت سے لے کر چوتھی صدی ہجری تک اہل سرندیپ اسلام اور مسلمانوں سے برابر محبت وتعلق رکھتے تھے، چنانچہ اس واقعہ کے آخر میں بزرگ بن شہریار نے اپنے زمانہ کی بابت لکھا ہے:

وهم يحبون المسلمين و يميلون اليهم ميلاً شديداً (۱)	وہ لوگ مسلمانوں سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی طرف بہت ہی زیادہ مائل ہیں۔

(۱): عجائب الہند، ص ۱۵۷، طبع لندن۔

ان واقعات سے نہ صرف سرندیپ بلکہ اس کے آس پاس کے تمام علاقوں میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبروں کا پھیلنا قرین قیاس ہو جاتا ہے۔ ہندوستان اور چین میں عربوں کی تجارت عام تھی اور یہاں ان کے بحری سفر برابر ہوا کرتے تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت ہندوستان سے گزر کر چین تک پہنچ چکی تھی۔

غالب گمان ہے کہ سرندیپ کا مذکورہ بالا وفد یہاں کے بیکور، یا بکرنتیہ یا بکرجین نامی فرقہ کی طرف سے مدینہ منورہ بھیجا گیا ہوگا۔ یہ لوگ عام طور سے ننگے رہتے تھے اور آگے پیچھے معمولی سا کپڑا باندھ لیتے تھے، جاڑے میں بدن پر چٹائی لپیٹ لیتے تھے۔ بعض رنگ برنگ کے کپڑوں کی جوڑ دار دھوتی پہنتے تھے۔ شمشان کی راکھ بدن پر ملتے تھے۔ سر اور داڑھی کے بال نہیں رکھتے، مردوں کی کھوپڑی میں کھانا کھاتے تھے تاکہ دنیا کی بے ثباتی کا احساس ہو۔ جب عرب کے تاجروں یا دوسرے ذرائع سے ان سنیاسیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے تحقیق حال کے لیے اپنی جماعت کے ایک آدمی کو بھیجا، ان کے مسلمان ہونے کی روایت تو نہیں ملتی لیکن وہ اسلام کے بعض اثرات سے پوری طرح متاثر ہوئے۔ اگر ان کا آدمی صحیح وسلامت واپس جاتا اور وہ اس کے ذریعے سے اسلامی تعلیمات کو تفصیل کے ساتھ سنتے تو آج سرندیپ اور جنوبی ہند کا دینی نقشہ غالباً کچھ اور ہی ہوتا۔ ان کی اسلام سے اس عقیدت کے نتیجہ میں عرب کے مسلمان تاجر سرندیپ میں مستقل آباد ہو کر متاہل زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ انہی عربوں کی عورتوں اور بچوں کو وہاں کے راجا نے ایک جہاز میں عرب بھیجا تھا جس کو سندھ کے اطراف کے مید یعنی سمندری ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تھا، اور عرب عورتوں کو گرفتار کر لیا تھا جس کے انتقام میں محمد بن قاسم ثقفیؒ نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔

ہندوستانی راجا کا ہدیہ

ہندوستان کے بڑے بڑے راجے اپنے پڑوسی بادشاہوں کے پاس ہدیے بھیج کر ان سے تعلقات قائم کرتے تھے۔ کسریٰ کے پاس راجا رھمی وغیرہ کے ہدایا وتحائف بھیجنے کا تذکرہ قاضی رشید بن زبیر نے ''کتاب الذخائر والتحف'' میں کیا ہے۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت اور آپ سے واقفیت عرب کے اطراف و جوانب

میں ہوئی تو ہندوستان کے مذہبی طبقہ کی طرح یہاں کے حکمران طبقہ نے بھی ہدیہ اور تحفہ بھیج کر آپؐ سے عقیدت و محبت کا اظہار کیا اور آپؐ سے تعلقات پیدا کرنے کی صورت نکالی۔ چنانچہ مشہور محدث امام ابوعبداللہ حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے۔

اھدی ملک الھند الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جرۃ فیھا زنجبیل فاطعم اصحابہ قطعۃً قطعۃً و اطعمنی منھا قطعۃً	ہندوستان کے راجا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل (سونٹھ) کا ایک گھڑا بھیجا۔ آپ نے صحابہ کو اس کا ایک ایک ٹکڑا کھلایا اور مجھے بھی اس کا ایک ٹکڑا کھلایا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے تناول فرمایا۔ چنانچہ اس روایت کے آخر میں امام حاکم نے لکھا ہے:

قال الحاکم: لم اخرج من اول ھذا الکتاب الی ھنا لعلی بن زید بن جدعان حرفاً واحداً ولم احفظ فی اکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الزنجبیل سواہ فخرجتہ (۱)	میں نے اس کتاب کے شروع سے لے کر یہاں تک اس حدیث کے سوا علی بن زید بن جدعان سے ایک حرف بھی روایت نہیں کیا ہے اور اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زنجبیل تناول فرمانے کے سلسلے میں مجھے یاد نہیں ہے، اس لیے اس کو بیان کیا ہے۔

امام ذہبی نے مستدرک کی تلخیص میں اس حدیث کے راوی عمرو بن حکام تلمیذ امام شعبہؒ پر کلام کیا ہے۔

رجال و اسناد پر کلام کرنا محدثانہ بحث ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ روایت معتبر اور مستند ہے، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے کسی راجا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں زنجبیل کا ہدیہ روانہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ہدیہ راجا کے کسی خاص قاصد کے ذریعہ بھیجا گیا ہوگا، جس نے مدینہ منورہ جا کر خدمت نبوی میں اسے پیش کیا ہو گا۔ راجا کی طرف سے محبت و عقیدت کا پیغام پہنچا ہوگا اور اس کے جواب میں رسول اللہ

(۱): المستدرک ج ۴، ص ۳۵، طبع حیدر آباد۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے راجا اور اس کے قاصد کے ساتھ نیک سلوک فرمایا ہوگا، جیسا کہ عام دستور ہے۔ غالباً ہجرت کے بعد خدمت نبویؐ میں ہندوستان کے راجا کا یہ ہدیہ پہنچا ہے۔ جب آپؐ کی بعثت اور اسلام کی شہرت عام ہو چکی تھی اور پاس پڑوس کے ممالک میں آپؐ کا چرچا ہو چکا تھا۔

باقی رہا یہ سوال کہ یہ ہدیہ کس راجا نے بھیجا تھا اور وہ کس علاقہ کا حکمران تھا تو اس کی تعیین نہیں ہو سکی۔ حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں قنوج کے راجا سرباتک کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس حذیفہ، اسامہ اور صہیب رضی اللہ عنہم کو اسلام کا دعوت نامہ دے کر بھیجا تھا اور اس نے اسلام کی دعوت قبول بھی کر لی تھی۔ مگر یہ روایت خود حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ذہبیؒ کی تصریحات کے مطابق قابل اعتماد نہیں ہے۔ ورنہ یہ قیاس کیا جا سکتا تھا کہ راجا سرباتک ہی نے اسلام قبول کرنے کے بعد خدمت نبوی میں زنجبیل کا نذرانہ پیش کیا۔ ممکن ہے کہ سرندیپ کے راجا نے وہاں کے سنیاسیوں کی طرح آپؐ سے تعلق پیدا کرنے کے لیے یہ شکل اختیار کی ہو۔ بنگال کے راجگان رہمی، شاہانِ ایران کے پاس قدیم زمانہ سے گراں قدر ہدایا و تحائف بھیجا کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اُسی خاندان کے کسی راجا نے خدمت نبویؐ میں بھی ہدیہ بھیجا ہو۔

ابن قیم نے ''زاد المعاد'' میں اس واقعہ کو ابو نعیم کی کتاب ''الطب النبوی'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ مگر اس میں ملک الہند کے بجائے ملک الروم ہے اور بعض الفاظ میں بھی معمولی سا فرق ہے۔ (۱) امام ابو عبداللہ حاکم اور ان کی کتاب ''المستدرک'' میں اور امام ابو نعیم اصفہانی اور ان کی کتاب ''الطب النبویؐ'' میں بڑا فرق ہے۔ ''مستدرک'' کا درجہ ''الطب النبویؐ'' سے بدرجہا بلند ہے۔ پھر زنجبیل ہندوستانی چیز ہے اور قدیم زمانے سے یہاں کے مہاراجے اطراف کے بادشاہوں کے پاس اس کا ہدیہ بھیجا کرتے رہے ہیں۔ اس لیے کسی رومی بادشاہ کا زنجبیل کا ہدیہ بھیجنا بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے۔

سرباتک راجا قنوج اور رتن ہندی کی حقیقت

پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک صحابہ کرامؓ کے وجود با جود سے دنیا خالی ہو گئی تھی،

(۱): زاد المعاد ج ۳، ص ۲۲۵، مطبع محمد علی صبیح مصر۔

جس پر تاریخ شاہد ہے۔ اس کے باوجود بعد میں چند ایسے افراد پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے اپنے دَور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس قسم کے دو شخص ہندوستان میں بھی گزرے ہیں۔ ایک سرباتک راجا قنوج اور دوسرے بابا رتن ہندی۔ ان دونوں نے اپنے زمانہ میں صحابی رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور آپؐ سے ملاقات کے واقعات بیان کیے ہیں بلکہ رتن ہندی کی کچھ بیان کردہ روایتیں بھی ہیں، جن کا مجموعہ ''رتنیات'' کے نام سے ایک زمانہ میں صوفیہ کے ایک طبقہ میں مقبول ومتداول تھا۔

ابن اثیر نے ''اسد الغابہ'' میں اور ابن حجر نے ''اصابہ'' میں سرباتک کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن حجر نے سرباتک کے دعویٰ صحابیت کا شد و مد سے رَد کیا ہے۔ پہلے ابوموسیٰ کے ذیل کے حوالے سے اسحٰق بن ابراہیم طوسی کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں نے ہندوستان کے راجا سرباتک کو قنوج نامی شہر میں دیکھا ہے۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ اس وقت تمہاری عمر کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ میری عمر سوا سات سو سال کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس حذیفہؓ، اسامہؓ اور صہیبؓ کو بھیجا اور انہوں نے مجھے اسلام کی دعوت دی، میں نے اسلام قبول کرلیا۔

پھر ابوحاتم احمد بن حامد بلوی کے واسطہ سے ابوسعید مظفر بن اسد حنفی طبیب کا یہ بیان نقل کیا ہے:

سمعت سرباتک الهندی یقول رأیت محمداً صلی الله علیه وسلم مرتین بمکة وبالمدینة مرةً، وکان احسن الناس وجهاً ربعة من الرجال (۱)	میں نے سرباتک ہندی کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دومرتبہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں دیکھا ہے۔ آپؐ تمام انسانوں سے زیادہ خوب صورت اور میانہ قد کے تھے۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر نے حافظ ذہبی کا قول نقل کرکے اس کو جھوٹ قرار دیا ہے۔

قال الذهبی فی التجرید هذا کذب واضح وقد عذر ابن	ذہبی نے ''تجرید اسماء الصحابہ'' میں کہا ہے کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے اور ابن اثیر نے ابن

(۱): الاصابہ جلد ۲، ص ۱۲۱۔

الاثیر ابن مندۃ فی ترکہ اخراجا مندہ کو اس کا تذکرہ نہ کرنے پر معذور قرار دیا ہے۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ ۶۳۲ ہجری میں سرباتک کا انتقال ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ۸۹۴ برس کی تھی۔ علامہ محمد طاہر گجراتی نے ''تذکرہ الموضوعات'' میں سرباتک کو معمرین کذابین کی فہرست میں داخل کرکے اصابہ کی عبارت نقل کی ہے۔ اسی طرح صاحب ''نزہتہ الخواطر'' نے ''اصابہ'' کی عبارت نقل کردی ہے۔ میں نے ''رجال السند والہند'' میں اسی کو نقل کرکے لکھا ہے کہ سرباتک نامی شخص کے وجود میں شبہ نہیں، جس طرح اس کے دعوائے صحابیت کے کذب میں کوئی شبہ نہیں۔

حافظ ابن حجر نے ''اصابہ'' میں رتن ہندی کا تذکرہ کرکے اس کے دعوائے صحابیت کے خلاف علمائے رجال و تواریخ کی تصریحات نقل کی ہیں اور تفصیل سے اس کا رد کیا ہے۔(۱)

''نزہتہ الخواطر'' میں ''بحر زخار'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابوالرضا رتن پنجاب کے شہر بھٹنڈہ میں پیدا ہوئے۔ جب سن رشد کو پہنچے تو مرشد کامل کی تلاش ہوئی۔ اسی اثناء میں ان کو معلوم ہوا کہ ملک عرب میں ایک شخص نے اللہ کی طرف سے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ سن کر مکہ مکرمہ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیام کیا اور آپ سے فیض حاصل کرکے ہندوستان واپس آئے۔ اس کے بعد چھ سو سال سے زائد زندہ رہے۔ انہوں نے ''الرسالۃ الرتنیہ'' نامی کتاب بھی لکھی ہے جس میں بغیر سند کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست سنی ہوئی احادیث کو جمع کیا ہے۔ رتن ہندی کی تصدیق شیخ علاء الدین سمنانیؒ، خواجہ محمد پارساؒ، شیخ رضی الدین لالاؒ جیسے مشائخ نے کی ہے۔ چھٹی صدی کے بعد ان کا انتقال ہوا اور بھٹنڈا میں ان کی قبر ہے۔(۲)

شیخ صلاح الدین صفدی اور شیخ مجدالدین فیروز آبادی صاحب ''قاموس'' نے بھی رتن ہندی کے وجود کی تصدیق کی ہے۔ صفدی نے اسے عقلاً جائز قرار دے کر علامہ ذہبی کے افکار کی مخالفت کی ہے اور فیروز آبادی نے لکھا ہے کہ میں رتن ہندی کے وطن میں جاچکا ہوں۔ بے شمار لوگوں میں نسلاً بعد نسلٍ ان کا تذکرہ نقل ہوتا چلا آتا ہے۔ رتن ہندی

(۱): الاصابہ، جلد ۲، ص ۱۲۱۔ (۲): نزہتہ الخواطر، ج ۱، ص ۱۴۷۔

نے اپنی کتاب میں تین سو سے زائد احادیث بیان کی ہیں، جن کا اکثر حصہ واہی تباہی باتوں پر مشتمل ہے۔(۱)

موٴرخین اور علمائے رجال کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ سب سے آخری صحابی ہیں جو ایک روایت کے مطابق ۱۱۰ ہجری میں دنیا سے تشریف لے گئے۔ ان کے بعد دنیا کی آنکھ کسی صحابی رسول کو نہیں دیکھ سکی۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے تقریباً ایک ماہ قبل صحابہ سے ارشاد فرمایا تھا:

فانه على راس مائة سنة منها لايبقى على وجه الارض ممن هو اليوم عليها احد	تم میں جو لوگ آج روئے زمین پر موجود ہیں ایک صدی گزرتے گزرتے ان میں سے ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔

شرعی اور تاریخی نقطۂ نظر سے راجا سرباتک یا رتن ہندی کی صحابیت ثابت نہیں ہے اور ان کا شمار ان لوگوں میں بھی نہیں ہوسکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر یا مدرک تھے۔ محض اس کا عقلی جواز اور مشائخ کی باطنی شہادت اس کے تاریخی ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے۔

======

(۱): رتن ہندی کی پوری تفصیل کے لیے الاصابہ ج۱، ص ۵۱۵ تا ۵۲۰، مطبع مصطفیٰ محمد مصر ملاحظہ ہو۔

عہدِ رسالت میں
ہندوستانی اشیاء کا استعمال

عہد رسالت میں عرب میں ہندوستان کی بہت سی چیزوں کا عام استعمال تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے ان کو استعمال کیا ہے۔ خوشبوؤں میں مشک، عود اور کافور، مسالوں میں فلفل (مرچ) قرنفل (لونگ) اور زنجبیل (ادرک، سونٹھ) کپڑوں میں ہندوستان اور سندھ کے بنے ہوئے ہر قسم کے کپڑے اور چادریں، اسلحۂ جنگ میں ہندی تلواریں اور نیزے، دواؤں میں کست ہندی، لکڑیوں میں ساگوان، یہ سب روزمرہ کے استعمال کی چیزیں تھیں۔ ان کے علاوہ خاص خاص ہندوستانی چیزیں بھی رائج تھیں۔ بعد میں جب عرب و ہند کے تعلقات بڑھے اور مسلمانوں نے ایک پڑوسی ملک کی حیثیت سے ہندوستان کے ساتھ دینی، اسلامی اور ثقافتی روابط بڑھائے تو عرب میں یہاں کی مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ اور بہت سی اشیاء کی بہتات ہو گئی۔ ہم یہاں پر عہد رسالت اور اس کے قریب تر زمانہ کی چند چیزیں بیان کرتے ہیں جو عرب میں استعمال ہوتی تھیں۔

لغوی اور لسانی توارد

قدیم زمانے سے دنیا میں بولی جانے والی زبانوں میں کئی ایسے الفاظ ہیں جو ہفت اقلیمی ہیں اور معمولی معمولی فرق کے ساتھ دنیا کی تقریباً ہر زندہ زبان میں مستعمل ہیں۔ ایسے لفظوں کے بارے میں علمائے لسانیات کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ابتدا میں وہ کسی ایک زبان

کے الفاظ تھے اور بعد میں دوسری زبانوں نے ان کو لے لیا بلکہ وہ ایسے عالمگیر الفاظ کو پوری دنیا کی زبانوں کا مشترک سرمایہ کہتے ہیں جو ہر زبان میں لب ولہجہ اور مقامی اثر کے ساتھ اسی زبان کے بن کر استعمال کیے جاتے ہیں۔

اس کی بہترین مثال عربی کے لفظ قسط کی ہے جو خود عرب میں مختلف لب ولہجہ میں مستعمل ہوتا ہے اور قسط، کشت اور کست بھی کہلاتا ہے۔ اسی کو ہندی میں کٹ، کوٹھ اور کٹھ کہتے ہیں۔ نیز یہی یونانی میں قرسطوس، سریانی میں قوشتا، فارسی میں کوشتہ اور انگریزی میں کسٹ کہلاتا ہے۔

یہی حال عربی کے لفظ زنجبیل کا ہے کہ ہندی میں اسے زنجابیرا، سریانی میں زنکبیل، فارسی میں شنکویز اور انگریزی میں جنجر کہتے ہیں۔ (۱)

اسی طرح اور بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو معمولی فرق کے ساتھ دنیا کی اکثر زبانوں میں مشترک ہیں اور ان کو کسی ایک زبان کا لفظ نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اسے لسانی توارد کا نتیجہ قرار دیا جائے گا۔

قرآن حکیم میں بھی کچھ ایسے الفاظ آئے ہیں جو عربی زبان کی طرح ہندی، فارسی، حبشی، نبطی اور سریانی زبانوں میں مستعمل ہیں۔ ان کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ یہ لغوی توارد اور لسانی اشتراک ہے۔ امام ابن جریر طبریؒ کی یہی رائے ہے۔ جیسا کہ امام سیوطیؒ نے ''اتقان'' میں نقل کیا ہے۔

...وقال ابن جریر ما ورد عن ابن عباس وغیرہ من تفسیر الفاظ من القرآن انها بالفارسیة والحبشیة والنبطیة أو نحو ذلک انما اتفق فیها توارد اللغات فتکلمت بها العرب والفرس والحبشة بلفظ واحد (۲)

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس وغیرہ سے قرآن کے بعض الفاظ کی تفسیر میں جو کہ مروی ہے کہ یہ فارسی، حبشی اور نبطی وغیرہ زبانوں کے الفاظ ہیں تو ان میں لغات کا توارُد ہو گیا ہے اور عرب، فارس اور حبشہ کے لوگوں نے ایک ہی لفظ کو استعمال کیا ہے۔

---

(۱): محیط اعظم، ج ۳، ص ۳۰۰ و ج ۲، ص ۱۰۸۔ (۲): الاتقان، ج ۱، ص ۱۳۶۔

اس دعویٰ کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ ایسے مشترک اور متوارد الفاظ عربی زبان میں اس کے پورے قاعدے کے مطابق استعمال ہوتے ہیں اور ان کے صیغے اور مشتقات ہوتے ہیں۔ مثلاً فُلفُلِ اسم جنس ہے۔ واحد فُلفُلۃ اور اس کی تصغیر فُلیفلہ ہے۔ فعل رباعی فَلفَلَ اور تَفَلفَلَ آتا ہے۔ شراب مُفلفَل اور رزّ مُفلفَل اس شراب اور چاول کو کہتے ہیں جس میں فلفل یعنی مرچ پڑی ہو۔ اسی طرح مسک کے ایک ٹکڑے کو مسکہ کہہ کر اس کی جمع مِسک لاتے ہیں اور کافور کی جمع کوافر اور کوافیر استعمال کرتے ہیں۔

قَرنُفُل اور قَرنفُول دو طرح بول کر واحد قرنفلہ اور قرنفولہ بناتے ہیں اور طعام مُقَرفَل اُس کھانے کو کہتے ہیں جس میں فلفل یعنی مرچ پڑی ہو۔ اسی طرح مِسک کے ایک ٹکڑے کو مسکہ کہہ کر اس کی جمع مِسک لاتے ہیں اور کافور کی جمع کوافر اور کوافیر استعمال کرتے ہیں۔

کافور، مشک اور زنجبیل کا ذکر قرآن میں

قرآن حکیم میں اس طرح کے تین مشترک اور متوارد الفاظ آئے ہیں جو ہندوستان اور عرب میں مقامی لب ولہجہ کے فرق کے ساتھ بولے جاتے ہیں۔ ایک زنجبیل جسے ہندی میں زنجابیرا کہتے ہیں۔ دوسرا مسک جو ہندی میں موشکا کہلاتا ہے اور تیسرا کافور جسے ہندی میں کپور کہتے ہیں۔ نہ ان کی تعریب ہوئی ہے اور نہ تہنید، بلکہ دونوں زبانوں کے یہ الفاظ اصلی ہیں اور ان کو مستقل حیثیت حاصل ہے۔ البتہ ان ناموں کی جو چیزیں ہیں وہ خاص ہندوستانی ہیں اور یہیں سے عرب میں جاتی تھیں۔ ان اسماء و اشیاء کے لیے قرآنی الفاظ بننا بڑے فخر کی بات ہے، پھر مزید برآں یہ کہ جنت کے نعائم ولذات میں ان کو خاص مقام حاصل ہے، یعنی جنت کی یہ نعمتیں اور لذتیں دنیاوی نعمت و لذت کے انداز میں ہندوستان کو حاصل ہیں اور اس کی خبر قرآن حکیم نے دی ہے۔ جنت کے پاکیزہ، لذیذ اور آسودگی بخش مشروبات کے بیان میں قرآن میں ہے کہ:

(۱) ان الابرار یشربون من کاسٍ کان مزاجھا کافوراً — نیک لوگ پئیں گے ایسا پیالہ جس کی آمیزش کافور کی ہوگی۔

(۲) و یسقون فیھا کاساً کان مزاجھا زنجبیلاً — اور ان کو جنت میں پلایا جائے گا ایسا پیالہ جس کی آمیزش زنجبیل کی ہوگی۔

(۳) یسقون من رحیق مختوم ختامه مسک — ان کو پلائی جائے گی ایسی خالص پاکیزہ شراب جس کی مہر مشک کی ہوگی۔

احادیث میں ہندوستانی اشیاء کا ذکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں ہندوستان، ہندوستانی اشیاء اور ہندوستانی باشندوں کے تذکرے مختلف انداز میں پائے جاتے ہیں اور زبانِ رسالت پر ان کے اسماء و الفاظ آئے ہیں۔ جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ آئندہ بھی معلوم ہوگا۔ البتہ ہندی زبان کا کوئی جملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے منقول نہیں ہے۔ جبکہ فارسی کے بعض جملے احادیث میں ملتے ہیں جن کو آپ نے اپنی زبان مبارک سے ادا فرمایا ہے۔

البتہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ خلافت راشدہ میں ہندی زبان عرب میں آباد ہندوستانیوں میں رائج تھی جسے بعض صحابہ کرام بھی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ''مجمع البحرین'' کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ جاٹوں اور اساورہ نے حضرت علیؓ سے ہندی میں بات کی اور آپ کی خلافت وحکومت کا ساتھ دینے کا یقین دلایا۔

اب ہم ہندوستان کی ان چند چیزوں کو بیان کرتے ہیں جو عہد رسالت میں عرب میں رائج تھیں اور جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ استعمال کرتے تھے یا آپ نے ان سے منع فرمایا ہے۔

مشک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طیب وخطیب تھے اور خوشبو کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اس دنیا کی جن چیزوں سے آپ کو خاص رغبت تھی، ان میں سے ایک خوشبو بھی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ جب باہر جاتے تو خوشبو سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپؐ ادھر سے گزرے ہیں۔ خوشبوؤں میں مشک آپ کی محبوب ترین خوشبو ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ کے سامنے مشک کا تذکرہ آیا تو آپؐ نے فرمایا:

او لیس من اطیب الطیب (۱) — کیا مشک تمام خوشبوؤں سے پاکیزہ خوشبو نہیں ہے

(۱): طبقات ابن سعد ج۱، ص۳۹۹۔

احادیث میں متعدد مواقع پر مشک کا تذکرہ آیا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کے بارے میں فرمایا ہے:

ورشحهم المسک — ان کا پسینہ مشک کی طرح خوشبودار ہوگا۔

شہید کے بارے میں فرمایا ہے:

لونه لون دمٍ و ریحه مسک — شہید کے خون کا رنگ تو خون ہی جیسا ہوگا مگر اس کی مہک مشک جیسی ہوگی۔

روزہ دار کے بارے میں فرمایا ہے:

لخلوف فم الصائم اطیب عند الله یوم القیامة من ریح المسک (۱) — روزہ دار کے منہ کی مہک قیامت کے دن اللہ کے یہاں مشک کی مہک سے بھی زیادہ خوشبو دار ہوگی۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو استعمال کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ:

نعم بذکار الطیب المسک والعنبر (۲) — ہاں آپ مشک اور عنبر کی خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

ایک روایت ہے کہ راوی کے سوال پر حضرت عائشہؓ نے ذکارۃ الطیب کا نام لیا اور جب راوی نے اس کا مطلب دریافت کیا تو آپؑ نے مشک اور عنبر کا نام لیا (۳)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

کان لرسول الله صلی الله علیه وسلم سکة یتطیب منها (۴) — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکہ نامی ایک خاص قسم کی خوشبو لگاتے تھے۔

ملا علی قاریؒ نے ''جمع الوسائل فی شرح الشمائل'' میں سکہ کا مطلب یوں لکھا ہے:

(۱): صحیحین وغیرہ۔ (۲): سنن نسائی اور تاریخ کبیر بخاری۔ (۳): طبقات ابن سعد ج ص ۳۹۹۔ (۴): شمائل ترمذی و طبقات ابن سعد ج ۱، ص ۳۹۹۔

هو ضرب من الطين يتخذ من مسک ورامک وهو نوع عصر (۱)	سکہ ایک قسم کی مٹی ہے جو مشک اور رامک نامی ایک تیل کی آمیزش سے بنائی جاتی ہے۔

ایک روایت میں ہے:

كان يا خذالمسک فيمسح به، راسه ولحيته (۲)	آپؐ مشک کو سر اور داڑھی میں لگاتے تھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کو خود بڑی رغبت سے استعمال فرمایا ہے اور دوسروں کو اس کے استعمال کی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

من خير طيبكم المسک، المسک اطيب الطيب (۳)	تمہاری خوشبوؤں میں سے سب سے بہتر خوشبو مشک ہے، مشک بہترین خوشبو ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کا ہدیہ بھی دیا ہے۔ چنانچہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو آپؐ نے چند اواقی مشک اور حلہ کا ہدیہ روانہ فرمایا تھا۔ مگر نجاشی کی وفات کی وجہ سے وہ ہدیہ واپس آ گیا اور آپؐ نے اس میں سے ایک ایک اوقیہ مشک تمام ازواج مطہرات کو دے کر باقی حضرت ام سلمہؓ کو دے دیا۔ (۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں وہی مشک استعمال کیا گیا جو آپ کے پاس موجود تھا اور جس سے آپ زندگی میں خوشبو لگاتے تھے:

كان عند علي مسک فاوصى ان يحنط به، قال وقال علي هو فضل حنوط رسول الله صلى الله عليه وسلم (۵)	علیؓ کے پاس مشک تھا، آپؐ نے اس سے خوشبو لگانے کی وصیت فرمائی تھی۔ علیؓ کا بیان ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال سے بچی ہوئی خوشبو تھی۔

عام طور سے صحابہ کرامؓ بھی مشک کا استعمال کرتے تھے۔ مشہور تابعی حضرت

---

(۱): جمع الوسائل ص ۲۰۳۔ (۲): کنز العمال، کتاب الشمائل ج ۴، ص ۲۴۔ (۳): کنز العمال کتاب الزینۃ ج ۳، ص ۳۲۲۔ (۴): طبقات ابن سعد ج ۸، ص ۹۵۔ (۵) ایضاً ج ۲ ص ۲۸۸۔

ضحاک بن مزاحم کو مشک کے استعمال میں توقف تھا تو ان سے لوگوں نے کہا:

ان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا يتطيبون به (١)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مشک کی خوشبو استعمال کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشک کی خوشبو پسند کرنے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے نزدیک مرغوب ترین خوشبو بن گیا اور وہ اسے سنت سمجھ کر استعمال کرنے لگے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک معتزلی عالم نے نافہ مشک کے بارے میں سنا کہ وہ خون ہوتا ہے تو کہا:

لولا النبي صلى الله عليه وسلم قد تطيب بالمسك ما تطيبت (٢)	اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک استعمال نہ فرمایا ہوتا تو میں اسے استعمال نہ کرتا۔

عہد رسالت میں اور اس کے بعد مدینہ منورہ میں عود، مشک، کافور اور دیگر خوشبوؤں کا استعمال اس کثرت سے ہوگیا کہ دارین کے مشک اور عطر کے تاجروں کی ایک بہت بڑی جماعت مدینہ میں آباد ہوگئی جو صرف خوشبوؤں کی تجارت کرتی تھی۔ دارین ہندوستانی مشک کی خصوصی منڈی تھا۔ یہاں تک کہ اس کی نسبت سے مشک کو صرف داری کہتے تھے۔ مدینہ میں دارین کے مشک فروشوں کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ واقعہ حرہ میں ۶۳ ہجری میں مسرف بن عقبہ مری نے شام سے مدینہ پر چڑھائی کی اور مدینہ کے مشرق میں حرہ واقم میں اترا تو اہل مدینہ کے ساتھ دارین کے چار سو مشک فروش اور عطار بھی شامی فوج کے مقابلے کے لیے نکلے۔

واخرج جميع اهل المدينة، حتى اربع مائة رجل من اهل البحرين من اهل دارين، كانوا عطارين، فقالوا ما لنا وهذا، إنما نحن تجار، فابوا إلا إخراجهم	تمام اہل مدینہ مقابلہ کے لیے نکالے گئے، حتی کہ بحرین کے شہر دارین کے چار سو عطر فروش بھی مقابلہ پر لائے گئے۔ انہوں نے پہلے کہا کہ ہمیں اس جنگ سے کیا نسبت، ہم تو تاجر ہیں۔ مگر مجبوراً ان کو بھی نکالا گیا۔

اہل مدینہ نے ان کا جھنڈا الگ بنایا تھا۔ یہ لوگ پہلے ہی حملہ میں نہ ٹک سکے اور

(۱): جامع بیان العلم، ج ۲، ص ۱۵۵۔ (۲): لسان العرب، ج ۵، ص ۶۷۔

میدان سے چلتے بنے۔ مگر انہوں نے بڑی چالاکی سے اپنا جھنڈا میدان میں نصب کر کے چاروں طرف پتھروں سے اسے روک دیا تھا اور ان کے بعد بھی وہ اپنی جگہ لہراتا رہا جس سے شامی فوج سمجھتی تھی کہ اہل مدینہ جم کر مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس طرح سے بہت سے شامی آگے بڑھے اور مارے گئے۔ آخر میں مسرف بن عقبہ نے پوچھا کہ یہ جھنڈا کس جماعت کا ہے۔

فیقال للداریین العطارین — تو لوگوں نے کہا کہ دارین کے عطاروں کا ہے۔

فیقول مالی وللعطارین (۱) — اس نے کہا مجھے ان عطاروں سے کیا تعلق ہے؟

مسرف بن عقبہ نے بعد میں ان عطاروں کی شکایت یزید کے پاس لکھی تو اس نے بحرین کے حاکم کو ان کے بارے میں لکھا۔ جس نے اہل دارین پر چار لاکھ درہم جرمانہ کیا۔ (۲)

مدینہ میں دارین کے مشک فروشوں کی جمعیت اور ان کے چار لاکھ درہم تاوان سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مدینہ میں مشک کی تجارت کس قدر زیادہ اور کتنی نفع بخش تھی اور یہ کہ اس کا استعمال کس قدر عام تھا۔

عود اور کافور

عود یعنی اگر بھی جنتی خوشبو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کے اوصاف میں فرمایا ہے:

ومجامرھم الالوۃ (۲) — ان کی انگیٹھیاں عود کی ہوں گی۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عود اور کافور کی ملی جلی خوشبو بہت پسند تھی اور ان کو انگیٹھی میں سلگا کر ان کا بخور استعمال فرماتے تھے۔

کان یستجمر بالوّۃ غیر مطراۃ وکافور یطرحہ مع الوۃ (۳) — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عود کا بخور استعمال کرتے تھے اور عود کے ساتھ کافور بھی ڈالتے تھے

"نہایہ" ابن اثیر میں ہے کہ الوہ وہ عود ہے جس سے استجمار کیا جائے یعنی اس کا

---

(۱): انساب الاشراف، بلاذری، ج ۴، قسم دوم، ص ۴۳، طبع یروشلم۔ (۲): مسلم۔

(۳): کنز العمال کتاب الشمائل، ج ۴، ص ۴۲ و طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۳۳۰۔

بخور استعمال کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جب خوشبو سلگاتے تو عود کے اوپر کافور بھی ڈالتے اور فرماتے:

هكذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستجمر (۱)	اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخور استعمال فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ مال غنیمت میں حضرت عمرؓ کے پاس عود آیا۔ چونکہ بہت زیادہ نہیں تھا اس لیے آپ نے فرمایا کہ اسے مسجد میں سلگاؤ کہ عام مسلمان اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس کے بعد سے مسجد نبوی میں عود کی خوشبو جلانا خلفاء کی سنت بن گئی اور کئی صدیوں تک اس کا رواج رہا۔ (۲)

لونگ، مشک اور عود کا ہار

عرب میں قدیم زمانہ سے بچوں اور عورتوں کے لیے سخاب نامی خاص خوشبوؤں کا ہار بنایا جاتا تھا جس میں قرنفل (لونگ) عود (اگر) اور مشک وغیرہ کو بڑے سلیقہ سے استعمال کیا جاتا۔ لونگ کے دانے بھگو کر سوئی سے دھاگے میں پروئے جاتے اور عود کی لکڑی بھی گوندھی جاتی۔ موتی یا اور کوئی پتھر وغیرہ نہیں ہوتا۔ عام طور سے اس ہار کی لمبائی گردن سے ناف تک ہوتی۔ چونکہ خشک ہونے کے بعد لونگ کے دانوں اور عود کے ٹکڑوں کی حرکت سے آواز پیدا ہوئی تھی۔ اس لیے اس ہار کو سخاب کہتے تھے۔ اس کا استعمال زینت سے زیادہ خوشبو کے لیے ہوا کرتا تھا۔ (۳) حدیث میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اسے پہنائے جانے کی تصریح موجود ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوق قینقاع سے لوٹے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر جا کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دریافت فرمایا۔ جب حضرت حسنؓ کے باہر آنے میں دیر لگی تو ہم لوگوں نے سمجھ لیا کہ حضرت فاطمہؓ ان کو نہلا دھلا کر سخاب پہنا رہی ہیں۔

فظننا انه انما تحبسه امه لان تغسله و تلبسه سيخاباً (۴)	جب دیر ہوئی تو ہم نے خیال کیا کہ ان کی والدہ نے ان کو روک لیا ہے تا کہ نہلا دھلا کر سخاب پہنا دیں۔

(۱): طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۴۰۰۔ (۲) الدرة الثمينة فی تاریخ المدینة بر حاشیہ شفاء الغرام ج ۲، ص ۱۲۷۔ (۳): نووی شرح مسلم (۴): صحیح مسلم

امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ سخاب ایک ہار ہے جو لونگ، مشک اور عود سے تسبیح کی طرح بنا کر بچوں اور بچیوں کے گلے میں پہنایا جاتا ہے۔

زنجبیل

زنجبیل کو تر ہو تو ادرک اور خشک ہو تو سونٹھ کہتے ہیں۔ یہ بھی جنت کی لذتوں میں سے ہے۔ ''المستدرک'' میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک ہندوستانی راجا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل ہدیہ میں بھیجا، تو آپ نے صحابہؓ کو اس کا ایک ایک ٹکڑا دیا۔ چنانچہ مجھے بھی ایک ٹکڑا عنایت فرمایا۔(۱)

ابن قیمؒ نے بھی زادالمعاد میں ابو نعیم اصفہانی کی کتاب ''الطب النبوی'' کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے مگر اس میں ملک الہند کے بجائے ملک الروم ہے۔(۲) بہر حال دونوں روایتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زنجبیل تناول فرمانے کی تصریح ہے۔

حاکمؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے علاوہ کسی اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زنجبیل تناول فرمانے کی تصریح نہیں ملی ہے۔

کست ہندی

ہندوستان کی مشہور دوا جو لکڑی کی قسم سے ہے، یہاں کٹھ کہلاتی ہے اور عرب میں اسے قط، قسط، کست اور کشت کہتے ہیں۔ اسی کو بعض احادیث میں عود یعنی ہندوستانی لکڑی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعہ علاج عہد رسالت میں نہ صرف عام تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوش نصیب ہندی دوا کے استعمال کی بار بار ترغیب دی ہے۔ صحیح بخاری میں اسی کو عنوان بنا کر ایک مستقل باب قائم کیا گیا ہے۔ ''باب السعوط بالقسط الهندی البحری وهو الكست۔'' اسی باب میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام قیس بنت محصنؓ کو بچوں کے جم اور گلے کی بیماری میں قسط ہندی کے استعمال کی تاکید ان الفاظ میں فرمائی ہے:

---

(۱): المستدرک، ج۴، ص ۱۳۵۔ (۲): زادالمعاد، ج۳، ص ۲۳۵۔

علیکم بھذا العود الھندی، فان فیہ سبعة اشفیة، یسعط بہ من العذرة، ویلد بہ من ذات الجنب (۱)	تم لوگ اس ہندوستانی لکڑی کو خاص طور سے استعمال کرو۔ کیونکہ اس میں سات بیماریوں سے شفا ہے۔ گلے کی بیماری میں اس کی ناس دی جاتی ہے اور جم کی بیماری میں پلائی جاتی ہے۔

یہی روایت صحیح مسلم میں حضرت ام قیس سے تفصیل کے ساتھ مروی ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا:

علام تزعون اولاد کن بھذا الإعلاق، علمکن بھذا العود الھندی، فان فیہ سبعة اشفیة منھا ذات الجنب، یسعط من العذرة، ویلد ذات الجنب (۲)	تم اپنی اولاد کو اس جونک کو لگا کر کیوں ڈراتی ہو، تم اس ہندی لکڑی کو استعمال کرو کیونکہ اس میں سات قسم کی بیماریوں سے شفا ہے۔ جن میں جم بھی ہے۔ گلے کی بیماری میں اس کی ناس دی جاتی ہے اور جم میں پلائی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آئے تو دیکھا کہ ایک بچہ کی ناک کے دونوں سوراخ سے خون جاری ہے، آپ نے وجہ دریافت فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہ حالت عذرہ (گھانٹی بڑھ جانے) یا دردسر کی وجہ سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

ویلکن، لا تقتلن اولادکن، ایما امرأة أصاب ولدھا علرة او وجع فی راسہ فلتاخذ قسطاً ھندیا فلتحکہ، ثم تسعطہ ایاہ (۳)	تم عورتوں پر افسوس ہے۔ تم اپنی اولاد کی جان مت لو، جس عورت کے بچے کو گلے یا دردسر کی شکایت ہو، وہ قسط ہندی لے کر گھسے اور اسی کی ناس دے۔

چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق جب قسط ہندی استعمال کی گئی تو بچہ کو فوراً شفا ہوگئی۔ (۴)

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

---

(۱): بخاری، کتاب الطب، باب السعوط، (۲): صحیح مسلم۔ (۳): زادالمعاد، ج۲، ص ۸۷، طبع میمنہ مصر۔ (۴): ایضاً۔

ان افضل ماتداریتم به الحجامة والقسط البحری، ولا تعذبوا صبیانکم بالغمر (۱)

تم لوگوں کے لیے بہترین دوا پچھنی لگانا اور قُسط بحری ہے۔ تم اپنے بچوں کا گلا دبا کر ان کو تکلیف نہ دو۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یہاں قسط بحری سے مراد قسط ہندی ہے۔ عورتوں کی ماہواری بند ہو جانے کے بعد قسط ہندی کا استعمال طبی حیثیت سے مفید ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے۔ حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے:

وقد رخص لنا عندالطهر، اذا اغتسلت إحدانا من محیضها فی نبذة کشت اظفار (۲)

آپؐ نے ہمیں اجازت دی ہے کہ جب کوئی عورت حیض سے پاکی کے وقت غسل کرے تو کست اظفار تھوڑی سی استعمال کر لے۔

محدث ابن تینؒ نے اظفار کے بجائے ظفار صحیح بتایا ہے (۳) جو یمن کا تجارتی شہر ہے اور کست ہندی اس کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ "لسان العرب" میں ہے۔ کست اظفار کو کست ہندی ہی کا دوسرا نام بتایا گیا ہے۔

وفی حدیث الحیض نبذة من کست اظفار، هو القسط الهندی (۴)

حدیث میں جو تھوڑی سی کست اظفار کے استعمال کی اجازت ہے، وہ قسط ہندی ہے۔

کست ہندی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات بیماریوں سے شفا کی خبر دی ہے۔ جن میں سے بچوں کی دو بیماریاں گھانٹی بڑھنے اور جم لگنے کی عام طور سے ہوتی ہیں۔ جن کی کست ہندی مجرب دوا ہے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ آپ کو کست ہندی کا بعض بیماریوں کے لیے شفا ہونا وحی کے ذریعہ معلوم ہوا تھا اور بعض کا علم تجربہ سے تھا۔ (۵) علماء نے لکھا ہے کہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طب اور دوا کی بابت جو باتیں آئی ہیں وہ تشریعی نہیں بلکہ تجرباتی ہیں یعنی ان کا استعمال کرنا کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ یہ تجربہ کی بات ہے۔

(۱): صحیح مسلم۔ (۲): بخاری، باب الطیب للمراۃ عند غسلها من المحیض۔ (۳): فتح الباری، ج ۱۰، ص ۱۲۱۔ (۴): لسان العرب، ج ۲، ص ۷۸۔ (۵): فتح الباری، ج ۱۰، ص ۱۲۱۔

ساگوان

ہندوستان کے ساج یعنی ساگوان کی لکڑی کا استعمال عرب میں قدیم زمانہ سے عام تھا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سریر مبارک یعنی آرام فرمانے کے تخت کے پائے ساج کے تھے، جسے آپؐ نے ہجرت کے بعد سے وفات تک استعمال فرمایا۔ بعد میں یہ سریر آثار متبرکہ میں محفوظ تھا اور اس پر مردے قبرستان لے جائے جاتے تھے۔ بلاذری نے "انساب الاشراف" میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ مکہ میں قریش کے یہاں چارپائی کا رواج نہیں تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ابوایوب انصاریؓ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے یہاں چارپائی نہیں ہے؟ اور انہوں نے بصد احترام نفی میں جواب دیا۔ حضرت اسعد بن زرارہؓ کو اس کی خبر لگی تو ایک تخت بھیجا جس کے پائے ساگوان کے تھے۔

فبلغ اسعد بن زرارہ ذلک فبعث الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسریر لہ عمود، وقوائمہ ساج، مرمول بجزم یغی المسد فکان نیام علیہ حتی تحول إلی منزلی کان فیہ لی فکان نیام علیہ حتی توفی فوضع علیہ وصلی علیہ وھو فوقہ (۱)

یہ بات اسعد بن زرارہؓ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پایہ دار تخت بھیجا جن کے پائے ساگوان تھے۔ وہ خرم کی رسیوں سے بیچ میں بُنا ہوا تھا۔ آپؐ اسی پر سوتے تھے۔ یہاں تک کہ جب میرا حجرہ تیار ہو گیا تو اس میں تشریف لائے اور وہ تخت بھی میرے یہاں آیا اور آپؐ اس پر آرام فرماتے تھے۔ جب وفات ہوئی تو اسی پر رکھے گئے اور آپ کی نماز جنازہ بھی اسی پر رکھ کر پڑھی گئی۔

اس کے بعد مدینہ کے لوگ ہم سے یہ تخت لے جاتے اور اپنے مردوں کو اس پر قبرستان لے جاتے تھے۔ چنانچہ اسی پر حضرات ابوبکرؓ اور عمرؓ اور دوسرے لوگوں کے جنازے نکلے۔ اس کا مقصد حصول برکت ہوتا تھا۔ "انساب الاشراف" ہی میں ازواجِ مطہرات کے ذکر میں ہے کہ حضرت زینبؓ اپنی وصیت کے مطابق اسی قبرستان پہنچائی گئیں۔ جب مروان

(۱): انساب الاشراف، ج ۱، ص ۵۲۵۔

کا زمانہ آیا تو اس نے عوام کو اس سے روک کر اعیان واشراف کے لیے خاص کر دیا اور عام مُردوں کے لیے چارپائیاں بنوائیں۔(۱) بعد میں عبداللہ بن اسحاق نے اسے حضرت معاویہؓ کے آدمیوں سے چار ہزار درہم میں خرید لیا۔ مشہور محدث یحییٰ بن معین ۲۳۳ ہجری میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور ان کو بھی اسی تخت پر غسل دیا گیا۔(۲)

طریحی نے ''مجمع البحرین'' میں لکھا ہے:

في الحديث يصلي على سرير من ساج، قال في المغرب: الساج شجر عظيم جداً، ولا ينبت إلا ببلاد الهند... في الحديث الميت وتغسيله على ساجة، وهي لوح من الخشب المخصوص (۳)

حدیث میں ہے کہ ساگوان کے تخت پر نماز پڑھا کرتے تھے۔ مغرب میں ہے کہ ساگوان بہت بڑا درخت ہوتا ہے جو صرف ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے اور حدیث میں جو ساگوان پر میت کے غسل دینے کا تذکرہ ہے، یہ خاص لکڑی کا تخت تھا۔

اس سے بھی آپ کے ساگوان کے تخت پر نماز پڑھنے اور اس پر مردوں کے غسل دینے کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کے حجرۂ مبارک کا کواڑ ساگوان کی لکڑی کا تھا۔ امام بخاریؒ نے ''الادب المفرد'' میں محمد بن ابو فدیک سے روایت کی ہے کہ محمد بن بلال نے ازواج مطہرات کے حجرے دیکھے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ وہ کھجور کی ڈالیوں اور شاخوں سے بنائے گئے تھے۔ جن پر ٹاٹ اور کمبل کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا کہ اس کا دروازہ شامی رُخ پر تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ اس میں دو کواڑ تھے یا ایک؟ تو محمد بن بلال نے بتایا کہ:

كان باباً واحداً قلت من أيّ شئ كان، قال من عرعر الساج (۴)

ایک ہی کواڑ تھا۔ میں نے پوچھا کس چیز کا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ ساگوان کی لکڑی کا۔

عہدِ رسالت کے بعد حرمین کی مسجدوں کی چھت میں ساگوان کی لکڑی استعمال کی

---

(۱): الانساب الاشراف، ج۱، ص۴۳۶۔ (۲): العبر فی خبر من غبر، ذہبیؒ ج۱، ص۴۱۵، طبع کویت۔ (۳): مجمع البحرین، مادہ سوج، طبع ایرانی۔ (۴): الادب المفرس، باب النساء۔

گئی۔ چنانچہ سب سے پہلے ولید بن عبد الملک نے مسجد حرام کی چھت رنگ روغن اور بیل بوٹے سے مزین ساگوان سے بنوائی۔

وأول من نقل إليه اساطين الرخام وسقّفه بالساج المزخرف الوليد بن عبدالملک (۱)	ولید بن عبد الملک نے سب سے پہلے مسجد حرام میں پتھر کے ستون لگوائے اور اس کی چھت منقش و مزین ساگوان کی بنوائی۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے بہت پہلے ۳۰ ہجری میں جب مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع فرمائی تو اس کی چھت ساگوان کی بنوائی تھی۔

وجعل عمده من حجارة منقوشة وسقفه بالساج (۲)	آپؓ نے اس کے ستون منقش پتھروں کے بنوائے اور ساگوان کی چھت بنوائی۔

پھر جب ولید نے ۹۶ ہجری میں مسجد نبوی کی توسیع کی تو اس نے بھی اس کی چھت ساگوان ہی کی بنوائی اور اس پر سونے کا پانی چڑھایا۔

وعمل سقفه بالساج و مرّهه بالذهب (۳)	ولید نے مسجد نبوی کی چھت ساگوان کی بنوا کر اس پر سونے کا پانی پھیرا۔

الغرض ساگوان عام مکانوں سے لے کر مسجدوں تک میں عام طور سے استعمال ہوتی تھی۔

ہندی نیزے

ہندی تلوار کی طرح خطی نیزے بھی قدیم زمانہ سے عرب میں مشہور و مستعمل ہیں۔ ان کے بارے میں "لسان العرب" میں تصریح ہے کہ:

وليست الخط بمنبت للرماح ولكنها مرفأالسفن التي تحمل القنامن الهند (۴)	مقام خط میں نیزے اگتے نہیں بلکہ وہ ان کشتیوں کے لیے بندرگاہ ہے جو ہندوستان سے بانس وغیرہ لاد کر وہاں جاتی ہیں۔

(۱): القریٰ لقاصد ام القریٰ، ص ۶۰۷۔ (۲): الدرة الثمینه فی اخبار المدینه لابن نجار بر حاشیہ شفاء الغرام، ج ۲، ص ۳۷۱۔ (۳): ایضاً، ص ۳۷۲۔ (۴): لسان العرب ج ۷، ص ۲۹۰، لفظ خط۔

امام لغت جوہری کا قول ہے کہ خط یمامہ میں ایک مقام کا نام ہے جس کی طرف خطی نیزے منسوب ہیں۔ اس نسبت کی وجہ یہ ہے کہ وہ بلادِ ہند سے یہاں لا کر سیدھے اور درست کیے جاتے ہیں۔(۱) اس نیزے کا تذکرہ بھی احادیث میں آیا ہے۔ چنانچہ مشہور حدیث ام زرع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ونکحت بعده رجلاً سریاً رکب شریاً، واخذخطیاً واراح علی نعما ثریاً (۲)

ام زرع نے ابوزرع کے بعد ایک بہادر سے نکاح کیا جو تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوا اور ہاتھ میں خطی نیزہ لے کر نکلا اور بڑی نعمت کا مالک ہوا۔

نیز عہد رسالت کے غزوات میں ہندوستان کے خطی نیزوں کا استعمال بالکل قرین قیاس ہے۔

ہندی تلوار

ہندوستانی لوہے کی اور ہندوستان کی بنی ہوئی تلوار عرب میں قدیم زمانہ سے مشہور و مستعمل تھی۔ اس کے لیے عربی زبان میں متعدد اسماء و صفات ہیں۔ عہد رسالت کے اشعار و واقعات اور احادیث میں ہندی تلوار کے تذکرے بہت زیادہ آئے ہیں۔ جن سے اس زمانہ میں ان کا عام استعمال معلوم ہوتا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کلہ کے عمدہ لوہے کی یا کلہ کی بنی ہوئی تلوار تھی۔ یہ تلوار شوال ۲ ہجری میں غزوۂ بنی قینقاع میں حاصل ہوئی تھی۔ "طبقات ابن سعد" اور "انساب الاشراف" میں ہے:

أصاب رسول الله صلی الله علیه وسلم من سلاح بنی قینقاع ثلاث أسیاف سیفا قلعیا وسیفا یدعیٰ بتّارا، وسیفا یدعیٰ الحتف (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو قینقاع کے اسلحہ سے تین تلواریں تھیں۔ ایک کلعی تلوار تھی، ایک کا نام بتار تھا اور ایک کو حتف کہتے تھے۔

سندھی کپڑے

سندھ اور ہندوستان سے نباتاتی جامے اور روئی کے مخملی کپڑے عرب میں جاتے

(۱) و (۲): شمائل ترمذی۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۸۶، ج ۲ ص ۲۹۔

تھے۔ نیز سندھ سے لنگی اور تہبند کے لیے چادریں وہاں مستعمل تھیں، غالباً مندہ اور مندیہ ان ہی کپڑوں کو کہتے تھے جو یمن جا کر بکتے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے سندھی کپڑے استعمال فرمائے ہیں۔ "لسان العرب" میں ہے:

وفي حديث عائشه رضي الله عنها انه رأى عليها اربعة اثواب سندٍ، قيل هو نوع من البرود اليمانية (۱)

اور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ دیکھنے والے نے ان کے جسم پر چار سندھی کپڑے دیکھے۔ خیال رہے کہ یہ یمنی چادریں تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے کچھ ایسے کپڑے بھی استعمال کیے ہیں جو ہندوستان اور دوسرے مقامات سے عرب میں جاتے تھے یا دونوں جگہ تیار کیے جاتے تھے۔ اس لیے ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ خالص ہندوستانی تھے یا نہیں۔ البتہ ان کے ہندوستانی ہونے کا شبہ ضرور ہے۔

مثلاً عام استعمال کے کپڑے یمن، صحار اور نجران وغیرہ میں تیار ہوتے تھے جن کو برود یمانیہ، (یمنی چادریں) حلہ سحولیہ (سحولی جوڑے) اور اثواب نجرانیہ (نجرانی کپڑے) کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا اور ان ہی مقامات پر ہندوستان کے بنے ہوئے کپڑے بھی جایا کرتے تھے بلکہ بسا اوقات ان ہی مقامات کی نسبت سے مشہور ہوتے تھے اور جس طرح جنوبی عرب کے ان ساحلی مقامات میں کپڑے کے بہت سے کارخانے تھے جن میں کپڑے تیار ہوتے تھے۔ اسی طرح یہ مقامات ہندوستان اور سندھ کے کپڑوں کی منڈی بھی تھے، جہاں سے یہ کپڑے اندرون عرب کے علاوہ یورپ تک جاتے تھے۔ اس لیے احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے سلسلے میں جو یمنی، نجرانی اور سحولی و صحاری چادروں اور کپڑوں کے تذکرے ہیں، ان کے ہندوستانی ہونے کا قوی شبہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنگھی ہاتھی دانت کی تھی۔ (۲) نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عاج ہندی یا عاج زنجی کی تھی۔ کیونکہ عرب میں ہندوستان اور زنج دونوں ملکوں سے ہاتھی دانت جاتے تھے۔

کرتہ

کرتہ خاص ہندوستانی لباس ہے۔ اس کی تعریب قرطق ہے۔ اگرچہ رسول اللہ

(۱): لسان العرب ج ۳ ص ۲۲۳۔ (۲): طبقات ابن سعد ج ۱، ص ۴۸۴۔

صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کے اس کے استعمال کرنے کی تصریح نہیں ملتی ہے۔ مگر بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں یا اس کے قریبی دور میں کرتے کا استعمال تھا۔ ''لسان العرب'' میں لفظ قرطق میں ہے۔

في حديث منصور جاء الغلام و عليه قرطق ابيض، اى قباء وهو تعريب كرته، وقد تضم الطاء... وفي حديث الخوارج كأني انظر اليه، حبشي عليه قريطق هو تصغير قرطق (۱)

منصور کی حدیث میں ہے کہ لڑکا آیا جس کے جسم پر سفید کرتہ تھا، قرطق کرتہ کی تعریب ہے... اور خوارج کے بیان میں ہے کہ گویا میں اس آدمی کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک حبشی ہے جس کے بدن پر ایک چھوٹا سا کرتہ ہے۔

سندھی مرغی

ابن خرداذبہ ابن فقیہ ہمدانی اور جاحظ وغیرہ نے دجاجہ سندیہ (سندھی مرغی) اور دیک ہندی (ہندوستانی مرغ) کا تذکرہ کیا ہے۔ دجاج سندھی عرب میں ہندوستان کی مخصوص چیز سمجھی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے مرغی کھانے کا ذکر احادیث میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ مگر ان میں سندھی مرغی کی تصریح نہیں ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ:

ان النبي صلى الله عليه وسلم اكل لحم الدجاج (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغی کا گوشت تناول فرمایا ہے۔

البتہ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں دجاج سندھی کا گوشت استعمال ہوتا تھا۔ طریحی نے ''مجمع البحرین'' میں لکھا ہے:

وفي الحديث دجاج سندى (۳)

حدیث میں سندھی مرغی کا ذکر ہے۔

ہندی طرز کی مُوتراشی

عرب میں ہندوستانی قومیں کثرت سے آباد تھیں اور ان کے بعض عادات واطوار

(۱): لسان العرب، ج ۱۰، ص ۳۲۳۔ (۲): زاد المعاد۔ (۳) مجمع البحرین، لفظ سند۔

وہاں رائج ہو گئے تھے۔ چنانچہ عہد رسالتؐ میں جاٹوں کے طرز کی موتراشی اور حجامت کا تذکرہ ملتا ہے، مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس طرح کس نے سر کے بال بنوائے۔

وفی بعض الاخبار فحلق راسه زطية، قيل هو مثل الصليب كانه فعل الزط (۱)

اور بعض اخبار میں ہے کہ انہوں نے جاٹوں کی طرح سر منڈوائے۔ ایک قول کے مطابق یہ حجامت صلیب کی طرح تھی۔ گویا وہ جاٹوں کا فعل ہے۔

اس سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے جاٹوں کی طرح کسی نے اس زمانہ میں سر کے بال ترشوائے تھے۔

لفظ بابو

عرب میں بابوس اونٹنی کے بچے کو کہتے ہیں۔ نیز اس کا استعمال گہوارے میں دودھ پیتے انسان کے بچے کے لیے ہوتا تھا۔ تقریباً اسی دوسرے معنی میں ہندوستان میں چھوٹے بچے کے لیے بابو کا لفظ بولا جاتا ہے۔ بابو اور بابوس میں صرف آخر میں سین کا اضافہ ہے۔ نیز عرب میں بچہ باپ کو اور باپ بچہ کو بابا کہتا ہے۔ "لسان العرب" میں ہے:

وقالوا بابأ الصبی ابوه اذا قال له بابا، وبأباه الصبیُّ اذا قال له بابا (۲)

علمائے لغت نے کہا ہے کہ جب باپ اپنے بچے کو بابا کہتا ہے یا بچہ اپنے باپ کو بابا کہتا ہے تو بأبأ کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔

ہندوستان اور عرب میں یہ مشترک لفظ تھوڑے سے مقامی اثر و فرق کے ساتھ حدیث میں آیا ہے۔ چنانچہ بخاری میں حدیث جریج راہب میں ہے کہ:

فمسح راس الصبیُّ وقال له یا بابوس من ابوک، فقال راعی الغنم (۳)

جریج راہب نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ اے بابو! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا کہ بکری کا چرواہا۔

(۱): لسان العرب ج ۷، ص ۳۰۸ و مجمع بحار الانوار ج ۲، ص ۹۳۔ (۲) لسان العرب ج ۱، ص ۲۵۔ (۳): بخاری، باب الصلوٰۃ۔

مولانا فضل اللہ گیلانی ''شرح الادب المفرد'' میں لکھتے ہیں:

البابوس الصغیر والرضیع وھو بابو فی الھندیة (۱)	بابوس کے معنی چھوٹے بچے یا دودھ پیتے بچے کے ہیں اور ہندی زبان میں یہی بابو ہے۔

ہندوستان کی جن چیزوں سے ممانعت کی گئی ہے

عہدِ رسالت میں ہندوستان کی بہت سی چیزیں عرب میں رائج تھیں جن میں کئی چیزوں کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرما کر خود استعمال کیا ہے اور صحابہؓ کو ان کی ترغیب دی ہے۔ اسی طرح یہاں کی بہت سی چیزوں اور دونوں ملکوں کی مشترک باتوں سے منع فرمایا ہے: کیونکہ ان کی وجہ سے اسلامی عقائد اور اعمال میں کمزوری آنے کا ڈر تھا یا وہ سرے سے اسلامی تعلیمات کے خلاف تھیں۔

نرد یعنی چوسر

اس کو نردشیر اور کوبہ بھی کہتے تھے۔ اسے مسعودی نے ہندوستان کے راجا ناہود کے زمانے کی ایجاد بتایا ہے۔ یہ ہندوستانی کھیل غالباً ایرانیوں کے ذریعہ عرب پہنچا ہے۔ چونکہ چوسر اسلام کے عقیدہ توحید وتقدیر کی روح سے سراسر لغو ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شدت سے اس کھیل سے روکا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

من لعب بالنردشیر فکانما غمس یدہ فی لحم الخنزیر ودمہ (۲)	جس نے چوسر کھیلا اس نے گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے خون اور گوشت میں ڈالا۔

دوسری حدیث میں ہے:

من لعب بالنرد فقد عصی اللہ و رسولہ	جس نے چوسر کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ جو لوگ نرد کے ذریعہ قمار اور جوا کھیلتے ہیں وہ گویا خنزیر کا گوشت کھانے والے ہیں اور جو بغیر قمار کے نرد کھیلتے ہیں وہ گویا خنزیر کے خون میں ہاتھ ڈالنے والے ہیں اور اسے دیکھنے والے گویا خنزیر کا گوشت دیکھ رہے ہیں۔ (۳)

(۱): فضل اللہ الصمد، ج ۱، ص ۱۰۸۔ (۲و۳): صحیح مسلم، والادب المفرد من ابی بریدة عن ابیہ ص ۱۸۶۔

شطرنج

یہ بھی ہندوستانی کھیل ہے جو عرب میں رواج پاچکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

ملعون من لعب بالشطرنج — شطرنج کھیلنے والا ملعون ہے۔

اور دوسری حدیث میں ہے:

اذا مررتم بهولاء الذين يلعبون بهذالازلام، والشطرنج، والنرد وماكان من هذه فلا تسلموا عليهم، وان سلموا عليكم فلا تردوا عليهم (۱)

جب تم ان جوا، شطرنج اور چوسر وغیرہ کھیلنے والوں کے پاس سے گزرو تو ان کو سلام نہ کرو اور اگر وہ تم کو سلام کریں تو ان کے سلام کا جواب نہ دو۔

حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں نرد اور شطرنج کو بڑی شدت سے روکا۔ ایک مرتبہ آپ شطرنج کھیلنے والی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو اس پر جھپٹ پڑے اور فرمایا کہ خدا کی قسم یہ کھیل تمہارے اخلاق و عادات کو بدل دے گا۔ اگر آئندہ کے لیے حجت بننے کا ڈر نہ ہوتا تو میں اسی کھیل سے تمہارے چہروں کو مارتا۔ نیز حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کا ہاتھ میں چنگاری لیے رہنا یہاں تک کہ وہ بجھ جائے اس سے بہتر ہے کہ وہ شطرنج کا کھیل کھیلے۔ (۲)

گودھنا

وشم یعنی ہاتھ اور جسم کے مختلف اعضاء کو گودھنا ہندوستان اور عرب دونوں ملکوں میں عام تھا بلکہ دنیا کی اکثر وحشی اور متمدن قوموں میں اس کا رواج پایا جاتا تھا، جاہلیت کے اشعار میں گودھنے کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ زہیر بن ابی سلمٰی کا قول ہے:

ودار لها بالرّقمتين كأنها — مراجع وشم في نوا شر معصم

مقام رقمتین میں محبوبہ کے گھر کے آثار یوں ظاہر ہیں جیسے کلائی کی ابھری ہوئی رگوں میں گودھنے کے نشان ہوتے ہیں

(۱): کنز العمال باب اللھو واللعب ج ۷ ص ۳۳۱۔ (۲): ایضاً ص ۳۳۵۔

لبید بن ربیعہ کا قول ہے:

لـخـولة اطـلال بيـرقة ثهـمـد تلوح كبا في الوشم في ظاهرا ليد

خولہ کے گھر کے نشان مقام برقہ ثہمد میں یوں ظاہر ہوتے ہیں
جیسے ہاتھ کی پشت پر گودنے کے نشان ہوتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی شدت سے منع فرمایا ہے، حدیث میں ہے

لعن الله الواشمة والموشمة گودنا گودنے والی اور گودھانے والی دونوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

پچھتر

انواء یعنی پچھتروں سے بارش کا عقیدہ ہندوستان اور عرب میں تھا اور دونوں مقام کے لوگ عقیدہ رکھتے تھے کہ فلاں فلاں پچھتر سے بارش ہوتی ہے۔ یہ ایمان بالکواکب اور ستارہ پرستی ہے جو عقیدۂ خدا پرستی کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے احادیث میں اس عقیدہ وخیال کی شدت سے ممانعت آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

من قال مطرنا بنوء كذا فقد كفر أنزل على محمدٌ (مسلم) جو شخص یہ کہتے ہیں کہ ہم پر فلاں پچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی ہے، تو وہ محمدؐ کے لائے ہوئے دین کا منکر ہے۔

اس باب میں یہ چند چیزیں مثال کے طور پر بیان کر دی گئی ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں احادیث وسِیَر کی چھان بین کی جائے تو اس موضوع پر اچھا خاصا دفتر تیار ہو جائے۔

=====

اسلام اور مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں کسی صحابی کے با قاعدہ دعوت لے کر ہندوستان آنے کی صحیح اور مستند روایت نہیں ملتی، البتہ آپ کی وفات کے چار پانچ سال بعد عہد فاروقی میں اس کی روایت موجود ہے۔

عہد رسالت میں بحری اسفار

مگر اس بحث سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں صحابہ کرامؓ کے بحری اسفار پر مختصر سی بحث کی جائے اور بتایا جائے کہ اس زمانہ میں عام طور سے بحری سفر کا رواج تھا کیونکہ یورپ کے مستشرقین جو اسلام کے ہر مجد و شرف کے منکر ہیں، اس حقیقت کا بھی انکار کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عرب کا ملک تین طرف سے سمندروں سے گھرا ہوا ہے اور قدیم زمانہ سے عربوں میں غیر ممالک کا سلسلہ بحری راستوں سے جاری تھا اور ان کے تجارتی اور بحری اسفار مشرق میں چین تک اور مغرب میں روم تک جاری تھے۔ اسی طرح عہد رسالت میں صحابہ کرام کے بحری اسفار کا تجارتی سلسلہ قائم رہا۔ امام حسن بصری نے حضرت سمرہؓ سے روایت کی ہے:

كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يتجرون في البحر	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بحری تجارت کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ شکاریوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا:

انا نرکب البحر، ونحمل معنا القلیل من الماء(۱)

ہم لوگ سمندری سفر کرتے ہیں اور تھوڑا سا پانی اپنے ساتھ لے لیتے ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت حرام قرار دے دی ہے۔

فقیل یا رسول اللہ أرایت شحوم المیتة فانه یطلی بها السفن، ویدهن بها الجلود ویستصبح بهاالناس، فقال لا، هو حرام (۲)

تو اس وقت لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مردار کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ کیونکہ اس کو کشتیوں، چمڑوں اور چراغ میں استعمال کیا جاتا ہے، آپؐ نے فرمایا نہیں، وہ بھی حرام ہے۔

خطیب بغدادیؒ نے ''موضح اوہام الجمع والتفریق'' میں مسلم بن ابی عمران اسدی کے تذکرے میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے:

إن امرأة رکبت البحر، فنذرت ان تصوم شهراً فماتت قبل أن تصوم فأتت أختها النبی صلی الله علیه وسلم فقال صومی عنها (۳)

ایک عورت نے سمندری سفر کیا اور ایک مہینہ روزہ رکھنے کی منت مانی لیکن اس کو پورا کرنے سے پہلے ہی مر گئی۔ اس کی بہن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم اس کی طرف سے روزہ رکھو۔

ان چند احادیث اور عہد رسالت کے واقعات سے اس دور کے بحری سفر کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ نیز احادیث و سِیَر کی کتابوں میں عہد رسالت کے بحری اسفار کے تذکرے

---

(۱): رحلۃ الصدیق، نواب صدیق حسن خاں ص ۴۷، طبع بمبئی۔ (۲) صحیح مسلم۔
(۳): موضح اوہام الجمع والتفریق، طبع حیدر آباد ج ۲، ص ۲۹۷۔

موجود ہیں۔ چنانچہ نبوت کے پانچویں سال صحابہ کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و مشورہ سے بحری راستہ سے حبشہ ہجرت کی۔ ۶ ہجری تا ۷ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمریؓ کو نامۂ مبارک دے کر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا۔ یمن کے قبیلہ اشعر کے تقریباً باون مسلمان مدینہ کے ارادہ سے بحری راستہ سے روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں مدینہ کی بندرگاہ جار تھی، مگر ہوا کا رخ بدل جانے سے یہ لوگ حبشہ پہنچ گئے۔ یہاں کے مسلمان مہاجرین نے ان کا استقبال کیا اور غزوۂ خیبر کے موقع پر ۷ ہجری میں ساتھ لے کر مدینہ پہنچے اور ان حضرات کو اہل السفینہ کا لقب ملا۔(۱) طبقات ابن سعد میں ہے کہ یہ لوگ مرد، عورت سمیت پچاس آدمی تھے اور یمن سے سوار ہو کر جدہ اترے:

وقد مرافی سفن، فی البحر وخرجوا بجدة (۲)	سمندری راہ سے کشتیوں میں چلے اور جدہ میں اترے۔

اسی طرح لخم اور جذام کے تیس آدمیوں کے ہمراہ حضرت تمیم داریؓ بحر روم کے سفر پر روانہ ہوئے مگر بادِ مخالف کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہو کر ایک جزیرہ میں پہنچ گئے۔(۳)

اسلامی تاریخ میں صحابہ کرام کے بحری اسفار کے اور بھی تذکرے موجود ہیں، نیز قرآن حکیم نے جگہ جگہ سمندروں میں جہاز رانی کے پُرہول مناظر بیان کر کے عربوں کو مشرکانہ عقائد پر جھنجھوڑا ہے اور دعوتِ توحید دی ہے۔ عہد رسالت کے اشعار میں بھی بحری اسفار اور جہاز رانی کا ذکر موجود ہے۔ ان شواہد و دلائل کے بعد ہندوستان میں صحابہ کرام کا آنا اس لیے مستبعد قرار نہیں دیا جا سکتا ہے کہ وہ بحری سفر نہیں کرتے تھے اور نہ وہ جزیرۃ العرب کے ریگستانوں اور پہاڑوں کی حدود سے باہر نکلے تھے۔ اس موضوع پر تفصیلی معلومات کے لیے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کتاب ''عربوں کی جہاز رانی'' کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

عہدِ رسالت میں دعوتِ اسلام کی دو روایات

۶ ہجری کے آخر یا ۷ ہجری کے شروع میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۱): صحیح مسلم، باب فضائل اشعر میں۔ (۲) طبقات ابن سعد، طبع بیروت ج ۱ ص ۳۴۸۔
(۳) صحیح مسلم، ذکر دجال۔

عرب اور دوسرے علاقوں کے بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام تبلیغ اسلام کی دعوت نامے صحابہ کرام کے ذریعہ بھیجے تو عرب کے مشرقی علاقوں کے حکمرانوں کے نام بھی دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ کیے۔ عمرو بن عاص سہمی ؓ کو عمان میں جیفر اور عیاذ کے پاس، سلیط بن عمرو ؓ کو یمامہ میں ثمامہ بن اثال کے پاس اور سلیط بن عمرو کو ہوزہ کے پاس اور علاء بن حضرمی کو بحرین میں منذر بن ساوی عبدی کے پاس روانہ فرمایا۔ یہ سب مقامات ہندوستان کے سامنے واقع ہیں، اور قدیم زمانہ سے ہندوستان اور چین تک عرب تاجروں کی گزرگاہ رہے ہیں لیکن ان کے آگے سمندر پار عہد رسالت میں کسی صحابی کے آنے کی مستند روایت نہیں ہے اور جو دو ایک روایتیں ہیں وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ رہی ہیں، حالانکہ ان ہی دنوں میں عمرو بن امیہ ضمری ؓ کے حبشہ نامۂ مبارک لے کر جانے کی روایت احادیث و سِیَر کی کتابوں میں موجود ہے، پھر بھی ان غیر معتبر روایات کا ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

اس سلسلے میں ہمیں اب تک صرف دو روایتیں مل سکی ہیں۔ پہلی روایت قنوج کے راجا سرباتک کے پاس صحابہ کے دعوت اسلام لے کر آنے اور راجا کے مسلمان ہونے کی ہے۔ جسے حافظ ابن حجرؒ نے ''اصابہ'' میں غیر مستند قرار دیا ہے۔

وزعم أن النبي صلى الله عليه وسلم أنفذ إليه حذيفة، وأسامة و صهيباً يدعونه إلى الاسلام فأجاب وأسلم، وقبل كتاب النبي صلى الله عليه وسلم (۱)

سرباتک نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس حذیفہ، اسامہ اور صہیب کو دعوت اسلام دے کر بھیجا۔ چنانچہ اس نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کو بوسہ دیا۔

اس روایت کو نقل کر کی حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ذہبیؒ نے ''تجرید اسماء الصحابہ'' میں کہا ہے کہ یہ کذب واضح اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

دوسری روایت سندھ میں پانچ صحابہ کرام کے آنے اور ان میں دو حضرات کے واپس جانے اور تین کے سندھ ہی میں انتقال فرمانے کی ہے۔ یہ روایت ایک قلمی مجموعہ میں ''جمع الجوامع'' کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔

---

(۱): الاصابہ، ج۲، ص۱۲۱، طبع مصر جدید۔

رُوی أن رسول الله صلی الله علیه وسلم ارسل کتابه إلیٰ أهل السند علی یدخمسة نفر من اصحابه فلما جاء فی السند فی قلعة یقال نیرون اسلم بعض اهله، ثم رجع من اصحابه اثنان مع الوافد علیه من السند، وبقی ثلاثة منهم فی السند، واظهراهل السند الاسلام، وبیّنوا لاهل السند الاحکام، وماتوا فیه و قبورهم فیه الان موجودة وجدت (۱)

روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سندھ کے باشندوں کے یہاں اپنے پانچ صحابہ کے ذریعہ اپنا نامۂ مبارک بھیجا، جب یہ لوگ سندھ کے مقام نیرن کوٹ میں آئے تو وہاں کے بعض لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر ان پانچ میں سے دو واپس چلے گئے اور باقی تین سندھ میں رہ گئے۔ سندھ کے لوگوں نے ان کی وجہ سے اسلام قبول کیا اور انہوں نے ان کو اسلامی احکام سکھائے، بعد میں یہ لوگ سندھ میں انتقال کر گئے اور ان کی قبریں ابھی تک وہاں موجود ہیں۔

جس قلمی مجموعہ یادداشت سے یہ روایت نقل کی گئی ہے، نہ وہ معتبر ہے اور نہ یہ معلوم کہ ''جمع الجوامع'' کون سی کتاب ہے۔ علامہ سیوطیؒ کی ''جمع الجوامع'' میں اس قسم کی روایت مستبعد معلوم ہوتی ہے۔

الغرض ۶ ہجری یا ۷ ہجری میں یا اس سے پہلے ہندوستان میں کسی صحابی کے دعوتِ اسلام لے کر آنے کی کوئی صحیح روایت نہیں ہے، البتہ اس کے آٹھ نو سال بعد خلافت فاروقی کے ابتدائی دور میں عرب سے مسلمانوں کے ہندوستان آنے کی مستند روایت موجود ہے اور اسی زمانہ میں باب الہند بحرین سے مسلمانوں کی رضاکارانہ فوج تھانہ (بمبئی) بھڑوچ (گجرات) اور دیبل (سندھ) آئی اور جنوبی ہند کے بعض ساحلی مقامات پر کسی صحابی کے آنے کی جو روایت مشہور ہے وہ بھی تاریخی اعتبار سے غیر مستند ہے۔

وصالِ نبویؐ کے چوتھے سال ہندوستان میں صحابہ کرامؓ کی تشریف آوری

عرب کا مشرقی ساحلی علاقہ بحرین ہمیشہ سے چین اور ہندوستان کی تجارت کا مرکز تھا۔ اس کے تمام علاقوں میں ہندوستان کے لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ اس کی مرکزیت و

(۱): مجموعہ کلمات و رسائل، مولوی بخاری، قلمی ورق ۱۹۰۔ یہ نسخہ میرے پاس محفوظ ہے۔

اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اپنے دو حکام مقرر فرمائے۔ ایک حضرت علاء حضرمیؓ اور دوسرے حضرت ابان بن سعید بن عاصیؓ۔ ایک روایت میں ہے کہ علاء حضرمیؓ علاقہ قطیف کے حاکم تھے اور ابانؓ علاقہ خط میں تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں علاء حضرمی کو دوبارہ وہاں کا حاکم مقرر کیا مگر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں ان کی جگہ حضرت ابو ہریرہؓ کو بحرین کی حکومت دی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علاء کے زمانہ ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ عہدہ دے کر ان کے ذمہ قضاء اور نماز کی امامت کے ساتھ زکوٰۃ وخراج کی وصولی بھی کر دی گئی تھی۔

بحرین کی مرکزیت، یہاں ہندوستانیوں کی کثرت اور ہندوستان سے تجارتی جہازوں کی آمد و رفت دیکھ کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو تعجب نہیں کہ یہیں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت یاد آ گئی ہو اور ان ہی ایام میں آپ نے ہندوستان میں جہاد کرنے کی تمنا فرمائی ہو۔ جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

عن ابی هريرة قال وعدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم غزوة الهند فان ادركتها انفق فيها نفسی ومالی فان اقتل كنت افضل الشهداء وان ارجع فانا ابوهريرة المحرر (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر میں اس میں شریک ہو سکا تو اپنا جان و مال قربان کر دوں گا۔ اگر اس میں کام آ گیا تو بہترین شہید ہوں گا اور اگر واپس لوٹا تو نارِ جہنم سے آزاد ابو ہریرہؓ رہوں گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ تمنا دل ہی میں تھی کہ حضرت عمرؓ نے ۱۵ ہجری میں ان کی جگہ حضرت عثمان بن ابی العاصی ثقفیؓ کو بحرین کا حاکم مقرر فرمایا، جنھوں نے ہندوستان پر فدائیانِ اسلام کے ذریعے تین طرف سے فوج کشی کرائی۔

۱۵ ہجری میں تھانہ بھڑوچ اور دیبل پر حملہ

عثمان بن ابی العاصی ثقفیؓ ۹ ہجری میں طائف کے وفد ثقیف کے ساتھ رسول اللہ

(۱): مسند احمد، وسنن نسائی باب غزوۃ الہند۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ نے ان کی صلاحیت کے پیش نظر ان کو طائف کا حاکم مقرر فرمایا۔ اس وقت سے خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی کی ابتداء تک آپ طائف کے حاکم رہے۔ مگر حضرت عمرؓ نے ۱۵ ہجری میں ان کو طائف کے بجائے بحرین اور عمان کا حاکم مقرر کیا۔ یہ کئی بھائی تھے (۱) عثمان بن ابی العاصیؓ (۲) حکم بن ابی العاصیؓ (۳) مغیرہ بن ابی العاصیؓ (۴) اور حفص بن ابی العاصیؓ۔ عثمان نے بحرین اور عمان کی تولیت کے ابتدائی دور ہی میں اپنے بھائی حکم کو طائف سے بلا کر بحرین بھیج دیا اور خود عمان پہنچ کر مطوعین اور فدائیان اسلام کی فوج تیار کی اور اس کی قیادت اپنے بھائی حکم کو دے کر ہندوستان روانہ کیا۔ اس مہم میں تھانہ (بمبئی) اور بھڑوچ (گجرات) دونوں ساحلی مقامات پر حکم بن ابی العاصی نے اپنی فوج کو لے کر حملہ کیا اور فتح پائی۔ نیز عثمان نے اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن ابی العاصی کی زیر قیادت ایک رضا کارانہ بحری فوج دیبل (ٹھٹھہ، سندھ) کی طرف روانہ کی، جہاں سے اسلامی لشکر مظفر و منصور واپس ہوا۔

جب اسلامی لشکر ہندوستان سے واپس گیا تو حضرت عثمان ثقفیؓ نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کو اس کی پوری تفصیل لکھی۔ چونکہ حضرت عمرؓ اس فوج کشی سے بے خبر تھے اور اس سے پہلے بحری راستہ سے اسلامی فوج ادھر نہیں آئی تھی اس لیے آپ نے عثمانؓ کے اس اقدام کو ناپسند فرمایا اور تہدید آمیز خط لکھا کہ اگر اس خطرناک اور غیر منظم مہم میں مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا تو تمہارے قبیلہ ثقیف سے ایک ایک کا بدلہ لوں گا۔ الغرض وصال نبوی کے چار سال بعد صحابہ کرام اسلام کی دولت لے کر ہندوستان تشریف لائے اور اس سرزمین نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ ان مہمات کا تذکرہ مشہور مؤرخ بلاذری نے ''فتوح البلدان'' کے باب فتوح السند میں یوں کیا ہے:

وولّٰی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عثمان بن ابی العاصی الثقفی البحرین وعمان سنۃ خمس عشرۃ، فوجہ اخاہ الحکم الی البحرین، ومضیٰ	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۵ ہجری میں عثمان بن ابو العاصی ثقفی کو بحرین اور عمان کا حاکم بنایا۔ عثمان نے اپنے بھائی حکم کو بحرین روانہ کیا اور خود عمان پہنچ کر تھانہ کی طرف ایک فوجی مہم روانہ کی اور جب لشکر واپس آیا تو

الی عمان فاقطع جیشاً الی تانه فلما ارجع الجیش کتب الی عمر یعلمه ذٰلک، فکتب الیه عمر یا اخا ثقیف حملت وودا علی عودٍ، و انی احلف باللہِ ان لواصیبوا لاخذت من قومک مثلهم، ووجه الحکم ایضاً الی بروص، ووجه اخاه المغیرة بن ابی العاصی الی خور الدیبل فلقی العدو فظفر (۱)

حضرت عمرؓ کو لکھ کر اس کی اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھا کہ اے ثقفی! تو نے گویا کیڑے کو لکڑی پر سوار کر کے سمندر کے حوالے کر دیا ہے۔ خدا کی قسم اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آئی تو تمہاری قوم سے اس کا بدلہ لوں گا۔ نیز عثمان نے اپنے بھائی حکم کو بھڑوچ روانہ کیا اور ایک اور بھائی مغیرہ کو دیبل کی کھاڑی کی طرف روانہ کیا، جہاں انہوں نے دشمن سے مقابلہ کر کے فتح پائی۔

عام تاریخوں میں ان حملوں کے نہ بیان کی کرنے کی وجہ

تعجب ہے کہ عام مؤرخوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی اس ابتدائی آمد اور یہاں کے تین مقامات پر ان کے حملہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ البتہ یاقوت حمویؒ نے ''معجم البلدان'' میں خور دیبل پر حضرت حکم ثقفیؓ کے حملہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

والدیبل من ناحیة السند مدینة علی ساحل بحر الهند، و وجّه الیه عثمان بن ابی العاص اخاه الحکم ففتحه (۲)

دیبل سندھ کا ایک شہر بحر ہند کے ساحل پر ہے اور عثمان بن ابی العاص نے اپنے بھائی حکم کو یہاں بھیجا جنہوں نے اسے فتح کیا۔

اس سے اتنا تو ثابت ہو ہی گیا کہ علامہ بلاذری اپنے بیان میں تنہا نہیں ہیں بلکہ یاقوت حموی بھی ان کے ساتھ ہیں۔ البتہ حموی نے اس سلسلے میں صرف دیبل کا نام لیا ہے اور تھانہ اور بھڑوچ کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔

بہت سے مؤرخوں نے بلاذری ہی کے حوالے سے عثمان ثقفیؓ کی پانچ چھ سال بعد کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور فتوحات کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے بلکہ خود بلاذریؒ نے اسی

(۱): فتوح البلدان، ص۴۲۰، طبع مصر۔ (۲): معجم البلدان، ج۴، ص۴۸۱، ذکر خوالدبل۔

"فتوح البلدان" میں کور فارس و کور عمان کی فتوحات کے باب میں عثمان کی بحرین و عمان میں تقرری کو بیان کرتے ہوئے تھانہ، بھڑوچ اور دیبل پر حکم کے فوج کشی کرنے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ حالانکہ بحری راستہ سے فارس کی مہم کا تذکرہ کیا ہے:

ثم لمّا ولّی عمر عثمان بن ابی العاصی الثقفی البحرین و عمان فدوخهما واتسقت له طاعة اهلها، وجّه اخاه الحکم بن ابی العاصی فی البحر الی فارس (۱)

جب حضرت عمرؓ نے عثمان بن ابی العاصی ثقفیؓ کو بحرین اور عمان کا حاکم بنایا تو انہوں نے ان دونوں مقامات کو زیر کرکے مقامی باشندوں کو مطیع کرلیا اور اپنے بھائی حکم کو براہِ سمندر فارس کی مہم پر روانہ کیا۔

حموی اور دوسرے مؤرخوں کے ان حملوں کے تذکرہ نہ کرنے کی وجہ یہی ہے کہ یہ بالکل حطوعانہ اور غیر منظم جھڑپ تھی، کوئی مستقل فوج کشی اور جنگ نہیں تھی، جسے حضرت عمرؓ نے بھی ناپسند کرتے ہوئے کوئی اہمیت نہیں دی۔ بلکہ شدت سے منع فرمایا۔ اسی طرح امام ابن عبدالبر نے بھی "استیعاب" میں عثمان بن ابی العاصی کے ۱۵ ہجری بحرین اور عمان کے حاکم بنائے جانے کا تذکرہ کرکے لکھا ہے کہ عثمان خود تو عمان چلے گئے اور اپنے بھائی حکم کو بحرین بھیجا۔ اس کے بعد حکم کے بارے میں کچھ نہیں لکھا، بلکہ عثمان کے ۲۱ ہجری میں فارس کے شہر توج پر حملہ کرنے کا ذکر کیا ہے:

وسارهو الی توج ففتحها ومصّرها وقتل ملکها شهرک وذلک سنة احدیٰ و عشرین (۲)

اور خود عثمان توج گئے اور اسے فتح کرکے آباد کیا اور وہاں ایرانی حاکم شہرک کو قتل کیا۔ یہ واقعہ ۲۱ھ کا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵ ہجری سے ۲۰ ہجری تک خود عثمان نے کوئی جنگی سرگرمی نہیں دکھائی بلکہ ۲۱ ہجری میں پہلا حملہ انہوں نے توج پر کیا اور اسی میں اپنے بھائی حکم سے بھی مدد لی۔ چنانچہ حموی نے "معجم البلدان" میں لکھا ہے کہ عثمان نے اپنے بھائی حکم کو عمان سے بحری مہم پر روانہ کیا اور انہوں نے فارس کے شہر برکان کو فتح کرکے توج کا رخ کیا۔ (۳)

(۱): فتوح البلدان، ص ۳۷۸۔ (۲): الاستیعاب، برحاشیہ اصابہ، ج ۳، ص ۹۱۔
(۳): معجم البلدان، ج ۲، ص ۴۲۷، ذکر توج۔

عثمان ثقفیؓ کی طرف سے ان کے بھائی حکم اور مغیرہ کی زیرِ قیادت ہندوستان کے تین ساحلی مقامات پر جو ہنگامی حملہ ۱۵ ہجری میں ہوا تھا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے خلافت صدیقی کے ابتدائی دَور میں حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ حدود فارس پر حیرہ کی طرف سے اور حضرت سوید بن قطبہ عجلیؓ ابلہ کی راہ سے حملہ آور ہوتے تھے اور پھر صحراؤں میں چلے جاتے تھے۔(۱) اور جس طرح ان دونوں حضرات کی ان ہنگامی یلغاروں اور وقتی حملوں کا مفصل حال اسلامی تاریخوں میں نہیں ملتا، اُسی طرح حکم اور مغیرہ کے ہندوستان پر ان بحری حملوں کا ذکر بھی نہیں ملتا۔

ہندوستان طائف اور اس کے قبیلہ بنو ثقیف کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا ہے کہ اس نے ہندوستان کو اپنی دینی اور روحانی توجہ کا مرکز بنا کر جب بھی اسے اقتدار ملا، اس کی طرف رخ کیا۔ عہد فاروقی میں حضرت عثمان ثقفیؓ نے بحرین و عمان کی گورنری پاتے ہی اپنے دو بھائیوں حکم اور مغیرہ کو یہاں اسلام کی برکت دے کر روانہ کیا اور اموی دورِ خلافت میں حجاج بن یوسف ثقفیؒ نے عراق کی گورنری پا کر اپنے جواں سال بھتیجے محمد بن قاسمؒ کو خلافت کے زیرِ اہتمام باقاعدہ اسلامی فوج کے ساتھ ہندوستان روانہ کیا۔

حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفیؓ

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خانوادۂ ثقیف کا مختصر تذکرہ کر دیا جائے جس کا تقریباً ہر فرد ہندوستان کا محسن ہے۔ حضرت ابوعبداللہ عثمان بن ابی العاص بن بشر بن عبد دھمان بن عبد اللہ طائف کے مشہور قبیلہ بنو ثقیف سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۹ ہجری میں طائف کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ارکان وفد میں سب سے چھوٹے تھے۔ اس لیے لوگوں نے انہیں ڈیرے پر سامان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا۔ جب وہ لوگ دوپہر میں آ کر سوئے تو آپ چپکے سے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین اور قرآن کی تعلیم حاصل کرتے رہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام فرماتے دیکھتے تو حضرت ابوبکر اور حضرت اُبی بن کعب سے قرآن پڑھتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس بات سے

(۱): الاخبار الطوال دینوری، ص ۱۱۰، طبع مصر۔

بہت خوش ہوئے اور جب تمام ارکان وفد کھل کر اسلام لائے تو عثمان نے بھی اپنا اسلام ظاہر کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی طرف سے طائف کا حاکم بنایا۔ خلافت صدیقی تک آپ اپنے منصب پر رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان کو بحرین اور عمان کی گورنری کے لیے طلب کیا۔ پہلے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے حاکم بنایا ہے میں اسے ہٹا نہیں سکتا۔ مگر جب لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ ان سے کہیں کہ اپنی طرف سے کسی کو طائف کا حاکم مقرر کر لیں۔ چنانچہ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ان کو ہٹایا کہ انہوں نے اپنے بھائی حکم کو اپنا نائب مقرر کیا اور بحرین و عمان کی گورنری سنبھالی۔ پھر جلد ہی حکم کو اپنے پاس بلا کر ہندوستان اور ایران کی مہمات پر روانہ کیا اور خود ایران میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا کر بہت سے مقامات فتح کیے۔ آخر میں بحرین و عمان سے معزول ہونے کے بعد بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ بصرہ میں جس جگہ آپ رہتے تھے اسے شط عثمان کہا جاتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی دینی خدمات پر بارہ ہزار جریب کا ایک ٹکڑا جاگیر میں دیا۔ صحاح اور سنن میں آپ کی احادیث و روایات موجود ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں بصرہ میں انتقال ہوا۔

حضرت حکم بن ابی العاص ثقفیؓ

حضرت حکم بن ابی العاص بن بشر رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عثمان یا ابو الملک ہے۔ صحابی رسول ہیں۔ بڑے بہادر اور شان کے آدمی تھے۔ اپنے بھائی عثمان ثقفیؓ کی طرف سے بحرین کی گورنری سنبھالی اور ایران و عراق میں اسلامی فتوحات کیں۔ اپنی قیادت میں فدائیانِ اسلام کی ایک جماعت لے کر ۱۵ ہجری میں تھانہ اور بھڑوچ آئے تھے۔ آپ بھی اپنے بھائی عثمان کے ساتھ بصرہ میں آباد ہو گئے تھے۔

حضرت مغیرہ بن ابی العاصؓ

حضرت عثمان ثقفی کے حقیقی بھائی اور ان کی دینی اور اسلامی سرگرمیوں میں شریک ہیں۔ آپ نے اپنے بھائی عثمان کی طرف سے دیبل (کراچی) پر فدائیان اسلام کو لے کر کامیاب فوج کشی کی۔ ایک روایت ہے کہ آپ سندھ میں فوت ہوئے اور یہیں دفن ہوئے مگر یہ روایت معتبر نہیں ہے۔

حضرت حفص بن ابی العاصؓ

آپ بھی حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی ہیں۔

خلافت راشدہ میں ہندوستان سے تعلقات

۱۵ ہجری میں ہندوستان پر غیر منظم بحری حملہ کے بعد عہد فاروقی میں پھر کسی مہم کا پتہ نہیں چلتا۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مہم کے سخت خلاف تھے اور بغیر مکمل تیاری اور پوری معلومات کے ہندوستان کے طول طویل بحری سفر کو مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے، اس لیے حضرت عثمان ثقفیؓ نے پہلے حملہ کے بعد اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، بلکہ پانچ چھ سال بعد ایران کے علاقوں میں مجاہدانہ سرگرمی تیز کی اور اپنے بھائی حکم کو بھی اس طرف متوجہ کیا۔

عہد فاروقی میں سندھ اور مکران کی حدود تک براہِ خشکی مجاہدین اسلام کے قدم آئے مگر آگے نہ بڑھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو آپ نے ہندوستان کی طرف توجہ فرمائی اور حضرت عمرؓ کی محتاط روش کی روشنی میں عراق کے حاکم عبداللہ بن عامر کریز کے ذریعہ حضرت حکیم بن جبلہ عبدی کو ہندوستان کے سرحدی مقامات کے سیاسی اور ملکی حالات اور جہاد کے امکانات معلوم کرنے کے لیے یہاں بھیجا۔ مگر یہاں کے حالات جہاد کے لیے مناسب نہ تھے، اس لیے مزید کوئی کارروائی نہیں کی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو آپ نے ۳۰ ہجری کے ابتداء میں حارث بن مرہ عبدی کو اجازت دی کہ وہ مطوعین کی ایک جماعت لے کر ہندوستان کا رخ کریں۔ چنانچہ حارث بن مرہ عبدی نے ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد پر حملہ کیا اور مال غنیمت پایا مگر بعد میں قیقان (کیگان، قلات) کے ایک معرکہ میں حارث بن مرہ اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ یہ ۴۲ ہجری کا واقعہ ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۴۴ ہجری میں مہلب بن ابی صفرہ نے ہندوستان کا رخ کیا اور بنوں پر فوج کشی کی۔ اس کے بعد عبداللہ بن سوار عبدی نے قیقان پر حملہ کر کے گزشتہ شکست کا بدلہ لیا اور فتح پائی۔ نیز حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں زیاد بن ابی سفیان نے سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی کو مکران کی طرف روانہ کیا۔ جہاں

مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اسی دوران میں زیاد نے راشد بن عمرو ازدی کو مکران بھیجا اور راشد نے قیقان کو فتح کر کے بحری ڈاکوؤں کا قلع قمع کیا۔(۱)

الغرض عہد فاروق کی ابتدا سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک ہندوستان اور عرب کے تعلقات کی نوعیت وقتی معرکہ آرائی اور غالب و مغلوب کی رہی، جن میں خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام اور تابعین عظام نے حصہ لیا۔ ظاہر ہے کہ ان مہمات میں بزم نبوت کے حلقہ نشینوں کے مبارک قدم اس ملک میں آئے ہوں گے جن کے انفاس گرم کی تاثیر سے آج تک ہندوستان میں اسلام اور مسلمان زندہ و تابندہ ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک زندہ و تابندہ رہیں گے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمدٍ و اله
و اصحابه اجمعین، والحمد لله رب العالمین

(۱): تفصیلات کے لیے فتوح البلدان، باب فتوح السند، ملاحظہ ہو۔

تاریخ پر تخلیقات کی مشہور کتابیں

کتاب	مصنف
تاریخ پنجاب	کنہیالال
تاریخ لاہور	کنہیالال
تاریخ پنجاب	سید محمد لطیف
تاریخ لاہور	سید محمد لطیف
نوع انسانی کی کہانی	ہنڈرک وان لون
ہندوستان کا تاریخی خاکہ	کارل مارکس
حسین بن منصور حلاج	لوئی ماسینیون / ڈاکٹر صابر آفاقی
بغداد	عباداللہ اختر
ہند میں انگریز ریاست	پینڈرل مون
تاریخ عالم کے سو عظیم شہر	کریسین بیکر / طاہر منصور فاروقی
یروشلم ایک شہر تین مذاہب	کیرن آرم سٹرانگ ترجمہ: طاہر منصور فاروقی
تاریخ عالم پر ایک نظر (حصہ اول، دوم، سوم)	جواہر لال نہرو
مختصر تاریخ عالم	ایچ جی ویلز
ہندوستان	ول ڈیورانٹ
انسانی تمدن کی داستان	باری علیگ

علی پلازہ، 3 مزنگ روڈ، لاہور- فون: 7238014
Email: takhleeqat@yahoo.com
www.takhleeqat.com